

قرآن کی

چار بنیادی اصطلاحیں

اللہ رب العالمین اور اللہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی



اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳-۱۱ شاہ عالم مارکیٹ (آجوا) مغربی پاکستان،

شاخ ۱-۱۶ بیت المکرم پہلی منزل ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

۲۹۷۶۱  
۵۷۹۴

۱۷۸۸۸

طابع : ————— اخلاق حسین ڈاٹا سٹریٹ

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ  
شاہ عالم مارکیٹ لاہور

DATA ENTERED

مطبع : ————— مسعود پرنٹرز لاہور

اشاعت : —————

۱۳۰۲۰۰ پہلی تاساتویں

۲۰۰۰ آٹھویں اکتوبر ۱۹۷۰ء

قیمت : ————— اعلیٰ ایڈیشن ۱- ۲۵-۳ روپے

۲-۲۰ روپے سٹاڈیڈیشن

# فہرست مضامین

	مقدمہ
۹	اصطلاحاتِ اربعہ کی اہمیت
۱۱	غلط فہمی کا اصل سبب
۱۲	غلط فہمی کے نتائج
۱۵	اللہ
۱۵	لغوی تحقیق
۱۸	اہل جاہلیت کا تصور اللہ
۲۶	الوہیت کے باب میں ملاکِ امر
۲۷	قرآن کا استدلال
۲۳	کتاب
۲۳	لغوی تحقیق
۲۶	قرآن میں لفظ رب کے استعمالات
۵۱	ربوبیت کے باب میں گمراہ قوموں کے تخیلات
۵۲	قوم نوح
۵۵	قوم عاد
۵۶	قوم ثمود
۵۸	قوم ابراہیمؑ و نمرود
۶۶	قوم لوطؑ

قوم شعیب

۶۹

فرعون اور آل فرعون

۷۱

یہود و نصاریٰ

۸۷

مشرکین عرب

۹۲

قرآن کی دعوت

۱۰۲

عبادت

۱۱۵

لغوی تحقیق

۱۱۵

لفظ عبادت کا استعمال قرآن میں

۱۱۸

عبادت بمعنی غلامی و اطاعت

۱۱۸

عبادت بمعنی اطاعت

۱۲۱

عبادت بمعنی پرستش

۱۲۲

عبادت بمعنی بندگی و اطاعت و پرستش

۱۲۸

۱۳۹

دین

لغوی تحقیق

۱۳۹

قرآن میں لفظ دین کا استعمال

۱۴۲

دین بمعنی اول و دوم

۱۴۲

دین بمعنی سوم

۱۴۷

دین بمعنی چہارم

۱۵۱

دین ایک جامع اصطلاح

۱۵۲

۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرضِ ناشر

امتِ مسلمہ کے زوال کے اسباب پر اگر غور کیا جائے تو اس میں سرفہرست یہ سبب نظر آئے گا کہ اس نے قرآنی تعلیمات کو فراموش کر دیا، اور اس کی انقلابی دعوت سے نا آشنا ہو گئی۔ آج اگر ہم قرآن مجید کو پڑھتے بھی ہیں تو اس کے معانی و مفہوم سے بے خبر ہو کر محض رسماً یہی وجہ ہے کہ اپنے دکھوں کا علاج اور ترقی کا ذریعہ دنیا بھر کے افکار و نظریات میں تلاش کرتے ہیں۔ لیکن خود اس نسخہ شفا سے استفادہ نہیں کرتے یا استفادہ کی اہلیت نہیں رکھتے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نازل کیا ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس کتاب کو لکھ کر قرآن کی اس ہی انقلابی دعوت کو واضح کیا ہے۔ جس نے اونٹوں کی نیکیں پکڑنے والوں کو دنیا کا امام بنا دیا تھا۔ اور اس کے ذریعے سے فہم قرآن کی راہ کو آسان بنا یا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا موصوف کو علوم قرآنی میں جو گہری بصیرت عطا فرمائی ہے۔ یہ کتاب اس کی پوری طرح آئینہ دار ہے۔

اس کتاب کی معنوی خوبیوں کے پیش نظر ہم اس کو آفسٹ کی حسین کتابت و

طباعت سے مزین کر کے پیش کر رہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس بلند پایہ کتاب کو اس شکل میں پسند فرمائیں گے۔

اخلاق حسین ڈائریکٹر  
اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ (اھم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

## مقدمہ

اللہ، رب، دین اور عبادت، یہ چار لفظ قرآن کی اصطلاحی زبان میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی ساری دعوت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا رب واللہ ہے، اس کے سوا نہ کوئی اللہ ہے نہ رب، اور نہ الوہیت و ربوبیت میں کوئی اس کا شریک ہے، لہذا اسی کو اپنا اللہ اور رب تسلیم کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی الہیت و ربوبیت سے انکار کرو، اس کی عبادت اختیار کرو اور اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے لیے اپنے دین کو خالص کر لو اور ہر دوسرے دین کو رد کرو۔

وَمَا أَمْرٌ سَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ نَّاسٍ إِلَّا نُوْحِي إِلَيْهِ آتَهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ - (الانبیاء - ۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جو رسول بھی بھیجا ہے اس کی طرف بھی وحی کی ہے، کہ ”میرے سوا کوئی اللہ نہیں ہے لہذا میری عبادت کرو“

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

سُبْحَانَ عَنَّا شُرِكُونَ - (التوبة - ۱۳۱)

اور ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا بجز اس کے کہ ایک ہی الہ کی عبادت کریں۔ اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے، وہ پاک ہے، اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ  
فَاعْبُدُونِ - (الانبیاء - ۹۲)

یقیناً تمہارا (یعنی تمام انبیاء کا) یہ گروہ ایک ہی گروہ ہے، اور میں محض ارا رب ہوں لہذا میری عبادت کرو۔

قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ آبِغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ - (العام - ۱۶۴)

کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا  
يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا - (کہف - ۱۱۰)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہے اُسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی اور کی عبادت شریک نہ کرے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ  
وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ - (نحل - ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔

أَفَغَيْرِ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْكَمُ مِنْ نِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ - (آل عمران - ۸۳)



تو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین چاہتے ہیں۔ حالانکہ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب چار دنا چار اسی کی مطیع ہیں اور اسی کی طرف انھیں پلٹ کر جانا ہے۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ (زمر - ۱۱)  
اے نبی کہو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اپنے دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔

إِنَّ اللَّهَ كَرِيْمٌ ذُو فَضْلٍ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ  
مُسْتَقِيْمٌ - (آل عمران - ۱۵۱)

اللہ ہی میرا رب بھی ہے اور تم سب کا بھی۔ لہذا اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ چند آیات محض نمونہ کے طور پر ہیں۔ ورنہ جو شخص قرآن کو پڑھے گا وہ اول نظر میں محسوس کرے گا کہ قرآن کا سارا بیان انہی چار اصطلاحوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ اس کتاب کا مرکزی خیال (Central Idea) یہی ہے کہ :-  
اللہ رب اور اللہ ہے۔

اور ربوبیت والہیت اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہے۔  
لہذا عبادت اسی کی ہونی چاہیے۔

اور دین خالصتہً اسی کے لیے ہونا چاہیے۔

اصطلاحات اربعہ کی اہمیت :

اب یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن کی تعلیم کر سنانے کے لیے ان چاروں اصطلاحوں

کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے۔ اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ اللہ اور رب کا مطلب کیا ہے؟ عبادت کی کیا تعریف ہے؟ اور دین کسے کہتے ہیں؟ تو دراصل اس کے لیے پورا قرآن بے معنی ہو جائے گا۔ وہ نہ توحید کو جان سکے گا، نہ شرک کو سمجھ سکے گا، نہ عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص کر سکے گا، اور نہ دین ہی اللہ کے لیے خالص کر سکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہو تو اس کے لیے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہوگی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہ جائیں گے۔ وہ لا الہ الا اللہ کہتا رہے گا اور اس کے باوجود بہتوں کو اللہ بنا رہے گا۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے رب نہ ہونے کا اعلان کرتا رہے گا اور اس کے باوجود بہت سے ارباب من دون اللہ اس کے رب بنے رہیں گے۔ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا، اور پھر بھی بہت سے معبودوں کی عبادت میں مشغول رہے گا۔ وہ پورے زور کے ساتھ کہے گا کہ میں اللہ کے دین میں ہوں، اور اگر کسی دوسرے دین کی طرف اسے فسوس کیا جائے تو لڑنے پر آمادہ ہو جائے گا، مگر اس کے باوجود بہت سے دینوں کا قلاوہ اس کی گردن میں پڑا رہے گا۔ اس کی زبان سے کسی غیر اللہ کے لیے "الہ" اور "رب" کے الفاظ تو کبھی نہ نکلیں گے، مگر یہ الفاظ جن معانی کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان کے لحاظ سے اس کے بہت سے اللہ اور رب ہوں گے اور اس بیچارے کو خبر تک نہ ہوگی کہ میں نے واقعی اللہ کے سوا دوسرے ارباب اللہ بنا رکھے ہیں۔ اس کے سامنے اگر آپ کہیں کہ تو دوسروں کی "عبادت" کر رہا ہے اور "دین" میں شرک

کافر تکب ہو رہا ہے تو وہ پتھر مارنے اور منہ نوچنے کو دوسرے گا مگر عبادت اور دین کی جو حقیقت ہے اس کے لحاظ سے واقعی وہ دوسروں کا عابد اور دوسروں کے دین میں داخل ہو گا اور نہ جانے گا کہ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ حقیقت میں دوسروں کی عبادت ہے اور یہ حالت جس میں مبتلا ہوں یہ حقیقت میں غیر اللہ کا دین ہے۔

## غلط فہمی کا اصل سبب:

عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ اللہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے، انھیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا اللہ اور رب سے اور الوہیت و ربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، تو وہ پوری بات کو پا گئے۔ انھیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے مخالفت کی یہ جان کر کی کہ غیر اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے، اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہو گا۔ اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں، عبودیت کس حانت کا نام ہے، عبادت سے کونسا رویہ مراد ہے، اور دین کا کیا مفہوم ہے، اس لیے جب

ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ، تو انھیں قرآن کی دعوت سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہے۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصل معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اس کی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے اللہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔ انہی دونوں وجوہ سے دور اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے۔ مثلاً:

لفظ اللہ کو قریب قریب بتوں اور دیوتاؤں کا ہم معنی بنا دیا گیا،  
رب کو پالنے اور پوسنے والے یا پروردگار کا مترادف ٹھہرایا گیا،  
عبادت کے معنی پوجا اور پرستش کے کیے گئے،

دین کو دھرم اور مذہب اور (Religion) کے مقابلہ  
کا لفظ قرار دیا گیا۔

طاغوت کا ترجمہ بت یا شیطان کیا جانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کا اصل مدعا ہی سمجھنا لوگوں کے لیے مشکل ہو گیا۔ قرآن  
کتاب ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو اللہ نہ بناؤ۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے بتوں اور بتوں کو  
کو چھوڑ دیا ہے لہذا قرآن کا نشانہ پورا کر دیا، حالانکہ اللہ کا مفہوم اور جن جن چیزوں  
پر عائد ہوتا ہے ان سب کو وہ اچھی طرح پکڑے ہوئے ہیں اور انہیں خبر نہیں  
ہے کہ یہ ہم غیر اللہ کو اللہ بنا رہے ہیں۔ قرآن کتاب ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو رب  
تسلیم نہ کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہیں مانتے  
لہذا ہماری توحید مکمل ہو گئی، حالانکہ رب کا اطلاق اور جن مفہومات پر ہوتا ہے  
ان کے لحاظ سے اکثر لوگوں نے خدا کے بجائے دوسروں کی ربوبیت تسلیم کر رکھی  
ہے۔ قرآن کتاب ہے کہ طاغوت کی عبادت چھوڑ دو اور صرف اللہ کی عبادت  
کرو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بتوں کو نہیں پوجتے، شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں، اور  
صرف اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، لہذا ہم نے قرآن کی یہ بات بھی پوری کر دی،  
حالانکہ پتھر کے بتوں کے سوا دوسرے طاغوتوں سے وہ چمٹے ہوئے ہیں اور  
پرستش کے سوا دوسری قسم کی تمام عبادتیں انہوں نے اللہ کے بجائے غیر اللہ  
کے لیے خاص کر رکھی ہیں۔ یہی حال دین کا ہے کہ اللہ کے لیے دین کو خالص  
کرنے کا مطلب صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ آدمی "نذہب اسلام" قبول کرے  
اور ہندو یا عیسائی یا یہودی نہ رہے۔ اس بنا پر ہر وہ شخص جو "نذہب اسلام"  
میں ہے یہ سمجھ رہا ہے کہ میں نے اللہ کے لیے دین کو خالص کر رکھا ہے حالانکہ  
دین کے وسیع تر مفہوم کے لحاظ سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کا دین اللہ  
کے لیے خالص نہیں ہے۔

## غلط فہمی کے نتائج :

پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم، بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقاید و اعمال میں جو نقائص نظر آ رہے ہیں ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔ لہذا قرآن مجید کی مرکزی تعلیم اور اس کے حقیقی مدعا کو واضح کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ ان اصطلاحوں کی پوری پوری تشریح کی جائے۔

اگرچہ میں اس سے پہلے اپنے متعدد مضامین میں ان کے مفہوم پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر چکا ہوں۔ لیکن جو کچھ اب تک میں نے بیان کیا ہے وہ نہ تو بجائے خود تمام غلط فہمیوں کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہے، اور نہ اس سے لوگوں کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس مضمون میں میں کوشش کروں گا کہ ان چار اصطلاحوں کا مکمل مفہوم واضح کر دوں، اور کوئی ایسی بات بیان نہ کر دوں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو۔

# اللہ

## نعوی تحقیق:

اس لفظ کا مادہ ال کا ہے۔ اس مادہ سے جو الفاظ لغت میں آئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے :-

آیۃ اذا تعجیر، حیران و سرگشتہ ہوا۔

الہت الی فلان ای سکت الیہ۔ اس کی پناہ میں جا کر یا اس سے تعلق پیدا کر کے میں نے سکون و اطمینان حاصل کیا۔

الہ الرجل یا لہ اذا فزع من امر نزل بہ فالہہ غیرہ

ای اجارہ۔ آدمی کسی مصیبت یا تکلیف کے نزول سے خوف زدہ ہوئے اور

دوسرے نے اس کو پناہ دی۔

الہ الرجل الی الرجل اتجہ الیہ لشدة شوقہ الیہ۔

آدمی نے دوسرے کی طرف شدت شوق کی وجہ سے توجہ کی۔

الہ الفصیل اذا دلح بامہ۔ اونٹنی کا بچہ جو اس سے بچھڑ گیا تھا

کو پاتے ہی اس سے چھٹ گیا۔

لاہ بلیہ لیہا ولاہا اذا احتجب۔ پوشیدہ مستور ہوا۔ نیز اس نفع  
یعنی بلند ہوا۔

الہ اللہ والوہۃ والوہیۃ عبدا۔ عبادت کی۔  
ان تمام معانی مصدر پر غور کرنے سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ آلہ  
یا لہ اللہ کے معنی عبادت (پرستش) اور اللہ کے معنی معبود کس مناسبت  
سے پیدا ہوئے:-

۱۔ انسان کے ذہن میں عبادت کے لیے اولین تحریک اپنی حاجت مندی سے  
پیدا ہوتی ہے۔ وہ کسی کی عبادت کا خیال تک نہیں کر سکتا جب تک اسے  
یہ گمان نہ ہو کہ وہ اس کی حاجتیں پوری کر سکتا ہے، خطرات اور مصائب  
میں اسے پناہ دے سکتا ہے، اضطراب کی حالت میں اسے سکون بخش سکتا ہے۔  
۲۔ پھر یہ بات کہ آدمی کسی کو حاجت دے سکتا ہے اس تصور کے ساتھ لازم و ملزوم  
کا تعلق رکھتی ہے کہ وہ اسے اپنے سے بالاتر سمجھے اور نہ صرف مرتبہ کے  
اعتبار سے اس کی برتری تسلیم کرے، بلکہ طاقت اور زور کے اعتبار سے  
بھی اس کی بااوستی کا قائل ہو۔

۳۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلسلہ اسباب و علل کے تحت جن چیزوں  
سے بالعموم انسان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں، اور جن کی حاجت دہانی  
کا سارا عمل انسان کی آنکھوں کے سامنے یا اس کے حدود علم کے اندر  
واقع ہوتا ہے ان کے متعلق پرستش کا کوئی جذبہ اس میں پیدا نہیں ہوتا۔  
مثلاً مجھے خرچ کے لیے روپے کی ضرورت ہوتی ہے، میں جا کر ایک شخص سے



نو کری یا مزدوری کی درخواست کرتا ہے، وہ میری درخواست کو قبول کر کے مجھے کوئی کام دیتا ہے اور اس کام کا معاوضہ مجھے دے دیتا ہے۔ یہ سارا عمل چونکہ میرے حواس اور علم کے دائرے کے اندر پیش آیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس نے میری یہ حاجت کس طرح پوری کی ہے، اس لیے میرے ذہن میں اس کے لائق پرستش ہونے کا وہم تک نہیں گذرتا۔ پرستش کا تصور میرے ذہن میں صرف اسی حالت میں پیدا ہو سکتا ہے جبکہ کسی کی شخصیت یا اس کی طاقت یا اس کی حاجت روائی و اثر اندازی کی کیفیت پر راز کا پردہ پڑا ہو، اسی لیے معبود کے معنی میں وہ لفظ اختیار کیا گیا جس کے اندر رفعت کے ساتھ پوشیدگی اور حیرانی و سرگشتگی کا مفہوم بھی شامل ہے۔

۴ - پھر جس کے متعلق بھی انسان یہ گمان رکھتا ہو کہ وہ احتیاج کی حالت میں حاجت روائی کر سکتا ہے، خطرات میں پناہ دے سکتا ہے، اضطراب میں سکون بخش سکتا ہے، اس کی طرف انسان کا اشتیاق کے ساتھ توجہ کرنا ایک امر ناگزیر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ معبود کے لیے اللہ کا لفظ جن تصورات کی بنا پر بولا گیا وہ یہ ہیں۔ حاجت روائی - پناہ دہندگی - سکون بخشی - بالائری و بالادستی - ان اختیارات اور ان طاقتوں کا مالک ہونا جن کی وجہ سے یہ توقع کی جائے کہ معبود قاضی الحاجات اور پناہ دہندہ ہو سکتا ہے۔ اس کی شخصیت کا پراسرار ہونا یا منظر عام پر نہ ہونا۔ انسان کا اس کی طرف مشتاق ہونا۔

## اہل جاہلیت کا تصور اللہ :

اس لغوی تحقیق کے بعد ہمیں دیکھنا چاہیے کہ الوہیت کے متعلق اہل عرب اور ائمہ تسلیم کے وہ کیا تصورات تھے جن کی تردید قرآن کرنا چاہتا ہے۔

(۱) وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهاتٍ لِيَكُونُوا لَكُمْ عِزًّا (مریم-۸۱)

اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے الہ بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے

ذریعہ قوت ہوں (یا ان کی حمایت میں آکر وہ محفوظ رہیں)

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ إِلَهاتٍ لَعَلَّهُمْ يُبْصِرُونَ (یس-۴۲)

اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسرے الہ بنا لیے ہیں اس امید پر کہ ان کی مدد

کی جائے گی (یعنی وہ اللہ ان کی مدد کریں گے)

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت جن کو الہ کہتے تھے ان کے

متعلق وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان کے پشتیبان ہیں، مشکلات اور مصائب میں ان کی

حفاظت کرتے ہیں اور ان کی حمایت میں وہ خوف اور نقصان سے محفوظ رہ جاتے

ہیں۔

(۲) فَمَا أَغْنَتْ عَنْهُمْ آلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ

اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ لَمَّا جَاءَ آفْرُ رَبِّكَ وَ مَا نَزَّلَهُمْ غَيْرَ

تَنْزِيلٍ - (ہود-۱۰۱)

بجز تیرے رب کے فیصلہ کا وقت آگیا تو ان کے وہ الہ جنہیں وہ

اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے، ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے اور وہ ان

کے لیے بنا ہی و ہلاکت کے سوا کسی اور چیز میں اضافہ کا سبب نہ بنے۔  
 وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَ  
 هُمْ يُخْلَقُونَ - آمَوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ -  
 آيَاتٌ يُبْعَثُونَ - اللَّهُمَّ لِلَّهِ وَاحِدٌ - (النحل - ۲۰ - ۲۲)  
 اور اللہ کے بجائے جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے بھی خالق  
 نہیں ہیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور انھیں یہ بھی خبر نہیں  
 ہے کہ انھیں کب دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمہارا اللہ تو  
 ایک ہی اللہ ہے۔

لَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ - (قصص - ۲۸)  
 اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الہ کو نہ پکارو، اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔  
 وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِيَّانُ  
 يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ - (یونس - ۶۶)  
 جو لوگ اللہ کے بجائے دوسرے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ محض وہم پر  
 چلتے ہیں اور نری ٹھکیں دوڑتے ہیں۔

ان آیات سے چند امور پر روشنی پڑتی ہے۔ ایک یہ کہ اہل جاہلیت جن کو اللہ

۱۰ یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ قرآن میں لفظ اللہ و معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک وہ  
 معبود جس کی فی الواقع عبادت کی جا رہی ہو قطع نظر اس کے کہ حق ہو یا باطل۔ دوسرے  
 وہ معبود جو درحقیقت عبادت کا مستحق نہ ہو۔ اس آیت میں اللہ کا لفظ دو جگہ انہی دو الگ  
 الگ معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

کتے تھے، انھیں مشکل کشائی و حاجت روائی کے لیے پکارتے یا بالفاظِ دیگر ان سے دُعا مانگتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان کے یہ اللہ صرف جن یا فرشتے یا دیوتا ہی نہ تھے بلکہ وفات یافتہ انسان بھی تھے، جیسا کہ آمواتٌ خیدو آجیاء و ما یَشْعُرُونَ آجیان یُبْحَثُونَ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان اللہ کے متعلق وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ ان کی دعاؤں کو سنتے ہیں اور ان کی مدد کو پہنچنے پر قادر ہیں۔

یہاں دعا کے مفہوم اور اس امداد کی نوعیت کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے جس کی اللہ سے توقع کی جاتی ہے۔ اگر مجھے پیاس لگتی ہے اور میں اپنے خادم کو پانی لانے کے لیے پکارتا ہوں، یا اگر میں بیمار ہوتا ہوں اور علاج کے لیے ڈاکٹر کو بلاتا ہوں، تو اس پر نہ دُعا کا اطلاق ہوتا ہے اور نہ اس کے معنی خادم یا ڈاکٹر کو اللہ بنانے کے ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ سلسلہ اسباب کے تحت ہے نہ کہ اس سے مافوق۔ لیکن اگر میں پیاس کی حالت میں یا بیماری میں خادم یا ڈاکٹر کو پکارنے کے بجائے کسی ولی یا کسی دیوتا کو پکارتا ہوں تو یہ ضرور اس کو اللہ بنانا اور اس سے دُعا مانگنا ہے۔ کیونکہ جو ولی صاحبِ مجھ سے سینکڑوں میل دور کسی قبر میں آرام فرما رہے ہیں۔ ان کو پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ میں ان کو سمجھ رہا ہوں اور یہ خیال رکھتا ہوں کہ عالم اسباب پر ان کی فرمانروائی قائم ہے جس کی وجہ سے وہ مجھ تک پانی پہنچانے یا میری بیماری کو دور کرنے کا انتظام کر سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ایسی حالت میں کسی دیوتا کو پکارنے کے معنی یہ ہیں کہ پانی یا صحت یا مرض پر اس کی حکومت ہے اور وہ فوق الطبعی طاہرہ میں حاجت

پوری کرنے کے لیے اسباب کو حرکت دے سکتا ہے۔ پس اللہ کا وہ تصور جس کی بنا پر دعا مانگی جاتی ہے، لامحالہ ایک فوق الطبعی اقتدار (Supernatural Ability)۔ اس کے ساتھ ہی فوق الطبعی قوتوں کے مالک ہونے کا تصور ہے۔

(۳) وَ لَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَ صَرَّفْنَا  
 الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ - فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ  
 اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا لِالِهَةِ طَبَلُ ضَلُّوا عَنْهُمْ  
 وَ ذَا لِكَ إِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوا يَفْتُرُونَ - (احقاف، ۲۷-۲۸)

تمہارے ارد گرد جن بسٹیوں کے آثار ہیں ان کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔  
 انہیں ہم نے بار بار بدل کر اپنی نشانیاں دکھائی تھیں تاکہ وہ رجوع کریں  
 تو جن کو انہوں نے تقرب کا ذریعہ سمجھ کر اللہ کے سوا اپنا الہ بنا یا تھا۔  
 انہوں نے نزولِ عذاب کے وقت کیوں نہ ان کی مدد کی؟ مگر تو دور کنار  
 وہ تو انہیں چھوڑ کر غائب ہو گئے۔ یہ بھی حقیقت ان کے جھوٹ اور ان  
 کی من گھڑت باتوں کی۔

وَ مَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ - عَا تَخَذُوا  
 مِنْ دُونِهِ إِلَهًا إِنْ يُرِيدِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنِّي  
 شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَ لَا يُنْقِذُون - (یس، ۲۲-۲۳)

کیوں نہ میں اس کی عبادت کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس کی  
 طرف تم سب کو پلٹنا ہے؟ کیا اس کے سوا میں ان کو الہ بناؤں جن کا حال

یہ ہے کہ اگر رحمن مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش میرے  
کچھ کام نہیں آسکتی اور وہ مجھے چھڑا نہیں سکتے۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ، مَا لَعَبُدُهُمْ إِلَّا  
لِيُقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى - إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا  
هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ - (الزمر - ۳)

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے حامی و کار ساز بنا رکھے ہیں ا  
اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ ہمیں وہ اللہ  
سے قریب کر دیں، اللہ ان کے درمیان اس معاملہ کا فیصلہ (قیامت  
کے روز) کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ  
وَلَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ  
وَيَقُولُونَ هُوَ أَوْلَاؤُا شُفَعَاءُ نَا عِنْدَ اللَّهِ - (یونس - ۱۸)

وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچانے پر قادر  
ہیں نہ نفع، اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

ان آیات سے چند مزید باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ ان سے معلوم ہوتا  
ہے کہ اہل جاہلیت اپنے الہوں سے متعلق یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ساری خدائی  
انہی کے درمیان تقسیم ہو گئی ہے اور ان کے اوپر کوئی خداوندِ اعلیٰ نہیں ہے۔ وہ  
واقع طور پر ایک خداوندِ اعلیٰ کا تصور رکھتے تھے جس کے لیے ان کی زبان میں اللہ  
کا لفظ تھا، اور دوسرے الہوں کے متعلق ان کا اصل عقیدہ یہ تھا کہ اس خداوندِ  
اعلیٰ کی خدائی میں ان الہوں کا کچھ دخل اور اثر ہے، ان کی بات مانی جاتی ہے، ان کے

۱۷۸۸۸

ذریعہ سے ہمارے کام بن سکتے ہیں، ان کی سفارش سے ہم نفع حاصل کر سکتے ہیں اور نقصانات سے بچ سکتے ہیں۔ انہی خیالات کی بنا پر وہ اللہ کے ساتھ ان کو بھی اللہ قرار دیتے تھے۔ لہذا ان کی اصطلاح کے مطابق کسی کو خدا کے ہاں سفارشی قرار دے کر اس سے مدد کی التجا کرنا اور اس کے آگے مراسمِ تعظیم و تکریم بجالانا اور زندگی گزارنا اس کو اللہ بنانا ہے۔

(۴) وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا لِلَّهِينِ اٰثْنِيْنَ اِنَّمَا هُوَ الرَّحْمٰنُ

ذَّٰحِدٌ فَاِيَّايَ فَاَرْهَبُوْنَ - (النحل - ۵۱)

اللہ فرماتا ہے کہ دو اللہ نہ بناؤ، اللہ تو ایک ہی ہے۔ لہذا تم مجھی سے ڈرو۔

وَلَا اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ رَبِّيْ شَيْئًا - (النعام - ۸۰)

اور ابراہیم نے کہا کہ میں ان سے ہرگز نہیں ڈرتا جنہیں تم خدا کا شریک ٹھیراتے

۱۰ یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ سفارشیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو کسی نہ کسی نوع کے زور و اثر پر مبنی ہو اور دوسری وہ جو محض ایک التجا اور درخواست کی حیثیت میں ہو اور جس کے پیچھے کوئی منوا لینے کا زور نہ ہو پہلے مفہوم کے لحاظ سے کسی کو شفیع یا سفارشی سمجھنا اسے اللہ بنانا اور خدائی میں اللہ کا شریک ٹھیرانا ہے۔ اور قرآن اسی شفاعت کی تردید کرتا ہے۔ دوسرا مفہوم، تو اس لحاظ سے انبیا ملائکہ، صلحا، اہل ایمان اور سب بندے دوسرے بندوں کے خلی میں شفاعت کر سکتے ہیں اور خدا کو مکمل اختیار حاصل ہے کہ کسی کی شفاعت قبول کرے یا نہ کرے۔ قرآن اس شفاعت کا اثبات کرتا ہے۔

ہو۔ اللہ یہ کہ میرا رب ہی کچھ چاہے تو وہ البتہ ہو سکتا ہے۔

إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ۔ (ہود - ۵۴)

ہود (علیہ السلام) کی قوم کے لوگوں نے اس سے کہا کہ ہم تو کہتے ہیں کہ تجھ پر ہمارے الہوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اہل جہا لیت اپنے الہوں سے یہ خوب رکھتے تھے کہ اگر ہم نے ان کو کسی طرح مارا غص کر دیا، یا ہم ان کی توہمات و عنایات سے محروم ہو گئے تو ہم پر بیماری، قحط، نقصان جان و مال اور دوسری قسم کی آفات نازل ہو جائیں گی۔

۵۷۔ اِتَّخَذُوا آجْبَادَهُمْ وُدًّا هَانِهِمْ أَرْبَابًا مِنْ

دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ وَمَا أُمِدُّوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا

إِلَهًا أَحَدًا إِلَّا إِلَهَ الْإِسْلَامِ۔ (التوبہ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا، اور مسیح ابن مریم کو بھی رب بھیرایا، حالانکہ انہیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی اور اللہ نہیں ہے۔

أَرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنْتَ تَكُونُ عَلَيْهِ

دَعِيلاً۔ (الفرقان - ۲۴)

تیرا کیا خیال ہے اس شخص کے متعلق جس نے اپنی خواہش نفس کو اللہ بنا لیا ہے؟ کیا تو اس کی ذمہ داری لے سکتا ہے؟

وَكَذَلِكَ نَقُولُ لِلْمُشْرِكِينَ نَقُلْ آدِلُوا بِهِمْ



شُرَكَاءُ هُمْ - (العام - ۱۳۷)

اس طرح بہت سے مشرکوں کے لیے ان کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں (یعنی

شرکاء فی الالوہیت) نے اپنی اولاد کو قتل کرنے کا فعل خوشنما بنا دیا۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن

بِهِ اللّٰهُ - (الشوری - ۲۱)

کیا وہ ایسے شرکاء (یعنی شرکاء فی الالوہیت) رکھتے ہیں جنہوں نے

ان کے لیے از قسم دین ایسی شریعت مقرر کی ہے جس کی اجازت اللہ

نے نہیں دی۔

ان آیات میں اللہ کا ایک اور مفہوم ملتا ہے جو پہلے مفہومات سے بالکل مختلف

ہے۔ یہاں فوق الطبعی اقتدار کا کوئی تصور نہیں ہے جس کو اللہ بنایا گیا ہے

وہ یا تو کوئی انسان ہے یا انسان کا اپنا نفس ہے۔ اور اللہ اس کو اس معنی

میں نہیں بنایا گیا ہے کہ اس سے دعائیں جانی ہو یا اسے نفع و نقصان کا مالک

سمجھا جاتا ہو، اور اس سے پناہ ڈھونڈی جاتی ہو۔ بلکہ وہ اللہ اس معنی میں بنایا

گیا ہے کہ اس کے حکم کو قانون تسلیم کیا گیا، اس کے امر و نہی کی اطاعت کی

گئی، اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام مان لیا گیا، اور یہ خیال کر لیا

گیا کہ اس کو بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا اختیار حاصل ہے، کوئی اور اقتدار

اس سے بالاتر نہیں ہے جس کی سند لینے اور جس سے رجوع کرنے کی ضرورت ہو۔

پہلی آیت میں علماء اور راہبوں کو اللہ بنانے کا ذکر ہے۔ اس کی واضح تشریح

ہم کو حدیث میں ملتی ہے۔ سرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے جب اس آیت

کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے علماء اور راہبوں نے حلال کیا اسے تم لوگ حلال مان لیتے تھے، اور جسے حرام قرار دیا اسے تم حرام تسلیم کر لیتے تھے اور اس بات کی کچھ پروا نہ کرتے تھے کہ اللہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے۔

یہی دوسری آیت تو اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جو شخص اپنی خواہش نفس کی اطاعت کرتا ہو اور اسی کے حکم کو بالاتر رکھتا ہو وہ دراصل اپنے نفس ہی کو اپنا اللہ بنا لے ہوئے ہے۔

اس کے بعد والی دونوں آیتوں میں اگرچہ اللہ کے بجائے شریک کا لفظ آیا ہے، مگر جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں واضح کیا ہے، شریک سے مراد الہیت میں شریک بٹیرانا ہے۔ اور یہ دونوں آیتیں صاف فیصلہ کرتی ہیں کہ جو لوگ اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے مقرر کیے ہوئے رواج یا ضابطہ یا طریقہ کو جائز قانون سمجھتے ہیں وہ اس قانون ساز کو الہیت میں خدا کا شریک بٹیراتے ہیں۔

## الوہیت کے باب میں ملاک امر

اللہ کے یہ مختلف مفہومات اوپر بیان ہوئے ہیں ان سب کے درمیان ایک منطقی ربط ہے۔ جو شخص فون لطبعی معنی میں کسی کو اپنا حامی دیدگار، مشکل کشا اور حاجت روا، دعاؤں کا سننے والا اور نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھتا ہے۔ اس کے ایسا سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نزدیک وہ ہستی نظام کائنات میں کسی نہ کسی نوعیت کا اقتدار رکھتی ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی سے تقویٰ

اور خوف کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اس کی ناراضی میرے لیے نقصان کی اور  
 رضا مندی میرے لیے فائدے کی موجب ہے اس کے اس اعتقاد اور اس  
 عمل کی وجہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں اس مستی کے متعلق  
 ایک طرح کے اقتدار کا تصور رکھتا ہے۔ پھر جو شخص خداوندِ اعلیٰ کے ماننے  
 کے باوجود اس کے سوا دوسروں کی طرف اپنی حاجات کے لیے رجوع کرتا  
 ہے اس کے اس فعل کی علت بھی صرف یہی ہے کہ خداوندی کے اقتدار  
 میں وہ ان کو کسی نہ کسی طرح کا حصہ دار سمجھ رہا ہے۔ اور علیٰ ہذا القیاس وہ شخص  
 جو کسی کے حکم کو قانون اور کسی کے امر و نہی کو اپنے لیے واجب الاطاعت  
 قرار دیتا ہے وہ بھی اس کو مقتدرِ اعلیٰ تسلیم کرتا ہے۔ پس الوہیت کی اصل  
 رُوح اقتدار ہے، خواہ وہ اقتدار اس معنی میں سمجھا جائے کہ نظام کائنات پر  
 اس کی فرماں روائی فوق الطبعی نوعیت کی ہے، یا وہ اس معنی میں تسلیم کیا جائے  
 کہ دنیوی زندگی میں انسان اس کے تحت امر ہے اور اس کا حکم بدارتِ خود  
 واجب الاطاعت ہے۔

## قرآن کا استدلال:

یہی اقتدار کا تصور ہے جس کی بنیاد پر قرآن اپنا سارا زور غیر اللہ کی الہیت  
 کے انکار اور صرف اللہ کی الہیت کے اثبات پر صرف کرتا ہے۔ اس کا  
 استدلال یہ ہے کہ زمین اور آسمان میں ایک ہی مستی تمام اختیارات و اقتدارات  
 کی مالک ہے۔ خلق اسی کی ہے، نعمت اسی کی ہے، امر اسی کا ہے، قوت اور

زور بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر چیز چار و ناچار اسی کی اطاعت کر رہی ہے، اس کے سوا نہ کسی کے پاس کوئی اقتدار ہے، نہ کسی کا حکم چلتا ہے، نہ کوئی خلق اور تدبیر اور انتظام کے رازوں سے واقف ہے اور نہ کوئی اختیاراً حکومت میں ذرہ برابر شریک و حصہ دار ہے۔ لہذا اس کے سوا حقیقت میں کوئی الہ نہیں ہے، اور جب حقیقت میں کوئی دوسرا الہ نہیں ہے تو تمہارا ہر وہ فعل جو تم دوسروں کو الہ سمجھتے ہو سب کرتے ہو، اصلاً غلط ہے، خواہ وہ دعائے مانگنے یا پناہ ڈھونڈنے کا فعل ہو، یا سفارشی بنانے کا فعل ہو، یا حکم ماننے اور اطاعت کرنے کا فعل ہو۔ یہ تمام تعلقات جو تم نے دوسروں سے قائم کر رکھے ہیں صرف اللہ کے لیے مخصوص ہونے چاہئیں، کیونکہ وہی اکیلا صاحب اقتدار ہے۔

اس باب میں قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے وہ اسی کی زبان سے سنیے:-

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ دَنِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ  
الْعَلِيمُ - (الزخرف: ۲۲)

وہی ہے جو آسمان میں بھی الہ ہے اور زمین میں بھی الہ ہے، اور وہی حکیم اور علیم ہے۔ یعنی آسمان و زمین میں حکومت کرنے کے لیے جس علم اور حکمت کی ضرورت ہے وہ اسی کے پاس ہے

أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ  
وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَ

هُمْ يُخْلِقُونَ . . . . . إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ - (النحل - ۱۶ - ۲۲)

تو کیا وہ جو پیدا کرتا ہے اور جو پیدا نہیں کرتا دونوں یکساں ہو سکتے ہیں؟  
کیا تمھاری سمجھ میں اتنی بات نہیں آتی؟ . . . . . خدا کو چھوڑ کر یہ جن  
دوسروں کو پکارتے ہیں وہ تو کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کیے  
جاتے ہیں . . . . . تمھارا اللہ تو ایک ہی اللہ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ  
خَافِقٍ غَيْرِ اللَّهِ يَرِزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ  
إِلَّا هُوَ فَا تَتَّبِعُونَ - (فاطر - ۳)

لوگو! تم پر اللہ کا جو احسان ہے اس کا دھیان کرو۔ کیا اللہ کے سوا کوئی  
دوسرا خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو؟ اس کے سوا  
کوئی الٰہ نہیں ہے۔ پھر تم کدھر بھٹکائے جا رہے ہو؟

قُلْ أَدَأَيْتُم مِّنْ آخِذًا لِّلَّهِ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَنَسَ  
عَلَى قُلُوبِكُمْ مِّنْ آيَاتِ اللَّهِ غَيْرَ اللَّهِ يَأْتِيكُم بِهِ - (العام - ۲۶)

کہو! تم نے کبھی سوچا کہ اللہ تمھاری سنتے اور دیکھنے کی قوتیں سلب کر لے  
اور تمھارے دلوں پر مہر کر دے (یعنی عقل چھین لے) تو اللہ کے سوا کونسا  
اللہ ہے جو یہ چیزیں تمھیں لاوے گا؟

وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ  
وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ - قُلْ أَسَأَيْتُم مِّنْ جَعَلَ  
اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مِنَ اللَّهِ

غَيْرُ اللَّهِ يَا تَيْكُمُ بِيضَاءِ أَفَلَا تَسْعَوْنَ - قُلْ أَرَأَيْتُمْ  
 إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ  
 الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَا تَيْكُمُ بَدِيلٍ تَسْكُنُونَ  
 فِيهِ أَفَلَا تَبْصُرُونَ - (قصص - ۷۰ - ۷۲)

اور وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ اسی کے لیے  
 تعریف ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور وہی اکیلا صاحبِ حکم و  
 اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔ کہو تم نے کبھی غور کیا کہ  
 اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے وز قیامت تک ات طاری کرے تو اس کے سوا کونسا  
 دوسرا اللہ ہے جو تمہیں دشتی لادے گا؟ کیا تم سنتے نہیں ہو؟ کہو تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ  
 اگر تمہارے اوپر ہمیشہ کے لیے دن طاری کرے تو اس کے سوا اور کونسا اللہ ہے  
 جو تمہیں ات لادے گا کہ اس میں تم سکون حاصل کرو؟ کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ تَرَأَوْكُمْ مِنَ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ  
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ  
 فِيهِمَا مِنْ شَيْءٍ وَمَا لَهُمْ مِنْكُمْ مِنْ ظَهِيرٍ وَلَا نَفَقٍ  
 الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ - (الجم - ۲۲ - ۲۳)

کہو کہ اللہ کے سوا تم نے جن کو کچھ سمجھ رکھا ہے انہیں پکار دیکھو۔ وہ نہ  
 آسمانوں میں ذرہ برابر کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ زمین میں، نہ آسمان  
 و زمین کے انتظام میں ان کی کوئی شرکت ہے، نہ ان میں سے کوئی اللہ  
 کا مددگار ہے، اور نہ اللہ کے ہاں کوئی سفارش کام آتی ہے بجز اس کے

جس کے حق میں اللہ خود ہی سفارش کی اجازت دے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلٰی النَّهَارِ  
وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلٰی اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ  
مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّكَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ . . . . . خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ  
ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا نَرًا وَّجَهًا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَائِدَةً  
اَلَّذِي تَطَّبَّخُوا مِنْهَا لَحْمًا وَخُبْزًا وَغَدَقَ الْمَاءَ اِنَّ  
فِيْ ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّمَنْ يَّرْتَدُّ

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ رات کو  
دن پر اور دن کو رات پر چڑھا کر لاتا ہے، اس نے سورج اور چاند  
کو تابع کر رکھا ہے اور ہر ایک اپنی مدت مقررہ تک چل رہا ہے۔۔  
۔۔۔ اس نے ایک نفس سے تمہاری پیدائش کی ابتدا کی یعنی  
انسانی زندگی کا آغاز کیا، پھر اسی نفس سے اس کا جوڑا بنایا اور تھکے  
یے موشیوں کے اٹھ جوڑے اتارے۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے  
پیٹ میں اسی طرح پیدا کرتا ہے کہ تین پردوں کے اندر تمہاری تخلیق  
کے یکے بعد دیگرے کئی مدارج طے ہوتے ہیں۔ یہی اللہ تمہارا رب  
ہے۔ اقتدار حکومت اسی کا ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔

پھر تم کدھر پھرے جا رہے ہو؟ - (الزمر - ۵ - ۶)

۵ تین پردوں سے مراد پیٹ، رحم اور مشیمہ ہیں۔

آمَنُ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ  
 السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ  
 لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا، إِلَّا مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ  
 قَوْمٌ يَعِدُونَ، آمَنُ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا  
 أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ  
 حَاجِزًا إِلَّا مَعَ اللَّهِ، بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْمُونَ  
 آمَنُ يُجِيبُ الْمُضْطَرِّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ  
 وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ، إِلَّا مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مِمَّا  
 تَدَّكَّرُونَ - آمَنُ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْ  
 بَحْرِ وَمَنْ يُدْسِلُ الرِّيَّاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ  
 إِلَّا مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ - آمَنُ  
 يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ  
 وَالْأَرْضِ إِلَّا مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ  
 كُنْتُمْ صَادِقِينَ - ر. المنل - ۲۰ - ۱۶۴

کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان  
 سے پانی برسا یا پھر وہ خوش منظر باغ اگاٹے۔ جن کے درخت اگانا  
 تمہارے بس میں نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں  
 شریک ہے؟ مگر یہ لوگ حقیقت سے منہ موڑتے ہیں۔ پھر وہ کون  
 ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس میں دریا جاری کیے



اور اس کے لیے پہاڑوں کو لنگر بنا یا اور دو سمندروں کے درمیان  
 پر وہ حائل کیا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں شریک  
 ہے؟ مگر اکثر مشرکین بے علم ہیں۔ پھر وہ کون ہے جو اضطرار کی  
 حالت میں آدمی کی دعا سنتا ہے اور تکلیف دہ کرتا ہے؟ اور وہ  
 کون ہے جو تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے؟ رقص کے اختیارات  
 دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور اللہ ان کاموں میں بھی شریک  
 ہے؟ مگر تم کم ہی دھیان کرتے ہو۔ پھر وہ کون ہے جو تم کو خشکی  
 اور تری کے اندھیاروں میں راستہ دکھاتا ہے اور اپنی رحمت  
 (یعنی بارش) سے پہلے خوشخبری لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے؟  
 کیا اللہ کے سوا کوئی اور اللہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ اللہ  
 بالائزہ ہے ان کے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔ پھر وہ کون ہے  
 جو تخلیق کی ابتدا کرتا اور اس کا اعادہ کرتا ہے؟ اور کون تم کو  
 آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور  
 اللہ ان کاموں میں بھی شریک ہے؟ کہو اگر تم اپنے شرک میں سچے ہو  
 تو اس پر دلیل لاؤ۔

۱۰ یعنی اگر تم مانتے ہو کہ یہ سب کام اللہ ہی کے ہیں اور ان کاموں میں کوئی اس  
 کا شریک نہیں ہے تو اسنو کس دلیل سے تم الہیت میں اس کے ساتھ دوسروں کو شریک  
 بناتے ہو؟ جن کے پاس اقتدار نہیں اور زمین و آسمان میں جن کا کوئی خود مختار اندازہ کام  
 نہیں وہ اللہ کیسے ہو گئے؟

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا  
 وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ  
 فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا، وَاتَّخَذُ دُونَهُ إِلَهًا لَّا  
 يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ، وَلَا يَمْلِكُونَ  
 لِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا  
 حَيَاةً وَلَا نُشُورًا ۱- الفرقان - ۲۳

وہ جو آسمانوں اور زمین کی حکومت کا مالک ہے۔ اور جس نے کسی کو  
 بیٹا نہیں بنایا ہے اور اقتدار حکومت میں جس کا کوئی شریک نہیں ہے  
 اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کے لیے پورا پورا اندازہ مقرر کیا۔  
 لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے اللہ بنا لیے ہیں جو کسی کو پیدا نہیں کرتے  
 بلکہ خود پیدا کیے جاتے ہیں، جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع یا  
 نقصان کا اختیار نہیں رکھتے اور جن کو موت اور زندگی اور دوبارہ پیدا  
 پر کسی قسم کا اقتدار حاصل نہیں ہے۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَتَى يَكُونُ لَهُ وَلَدًا أَوْ لَمْ  
 يَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ  
 عَلِيمٌ - ذَالِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ  
 كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - (انعام - ۱۰۲)

آسمان و زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا۔ اس کا کوئی بیٹا کیسے  
 ہو سکتا ہے جبکہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ اس نے تو ہر چیز کو پیدا

کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب، کوئی اس کے سوا اللہ نہیں ہے، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اسی کی عبادت کرو اور وہی ہر چیز کی حفاظت و خبر گیری کا کفیل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ  
كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَكَوَيَّرِي الَّذِينَ  
ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ إِنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا۔ (بقرہ-۱۶۵)

بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو خدائی میں اس کا شریک و مماثل قرار دیتے ہیں اور اللہ کی طرح ان کو بھی محبوب رکھتے ہیں، حالانکہ جو ایمان لانے والے ہیں وہ سب بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ کاش یہ ظالم اس حقیقت کو جسے نزولِ عذاب کے وقت محسوس کریں گے۔ آج ہی محسوس کر لیتے کہ قوت ساری کی ساری اللہ ہی کے پاس ہے۔

قُلْ إِيَّاكُمْ مَاتَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَدْنِي مَاذَا  
خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ...  
... وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا  
يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ (احقاف-۴-۵)

کہو تم نے اپنے معبودوں کی حالت پر کبھی غور بھی کیا جنہیں تم خدا کے بجائے حاجت روائی کے لیے پکارتے ہو؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین کا کتنا حصہ ان کا بنایا ہوا ہے، یا آسمانوں کی پیدائش میں ان

کی کس قدر شہرت ہے؟ . . . . . اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہو گا  
جو اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب  
نہیں دے سکتا۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ  
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ، لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ  
هُم يُسْئَلُونَ - (انبیاء - ۲۲)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا اور بھی الٰہ ہوتے تو نظامِ عالم و دہم  
برہم ہو جاتا پس اللہ جو عرش (یعنی کائنات کے تحت سلطنت)  
کا مالک ہے اُن تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی طرف منسوب  
کرتے ہیں۔ وہ اپنے کسی فعل کے لیے جواب دہ نہیں ہے اور سب  
جواب دہ ہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا  
تَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ -  
اللہ نے نہ کوئی بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا الٰہ ہے۔ اگر  
ایسا ہوتا تو ہر الٰہ اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کو لے کر الگ ہو جاتا اور ہر  
ایک دوسرے پر چڑھ دیتا۔ (المومنون - ۹۱)

قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَآتَوْا  
بِالسَّاعَةِ

۱۰ یعنی اس کی درخواست کے جواب میں کوئی کارروائی نہیں کر سکتا۔

إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ مَبْعُوثًا، سُبْحٰنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ  
عَلَوْا كَبِيرًا۔ (بنی اسرائیل - ۴۲-۴۳)

اے نبی کہو کہ اگر اللہ کے ساتھ دوسرے اللہ ہوتے جیسا کہ لوگوں  
کا بیان ہے، تو وہ مالکِ عرش کی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے  
ضرورتاً تدبیریں تلاش کرتے۔ پاک ہے وہ اور بہت بالا تر ہے ان  
بانوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

ان آیات میں اول سے آخر تک ایک ہی مرکزی خیال پایا جاتا ہے اور  
وہ یہ ہے کہ الہیت و اقتدار لازم و ملزوم ہیں اور اپنی روح و معنی کے اعتبار  
سے دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جو اقتدار نہیں رکھتا وہ الہ نہیں ہو سکتا اور اسے  
الہ نہ ہونا چاہیے۔ اور جو اقتدار رکھتا ہے وہی الہ ہو سکتا ہے اور اسی کو الہ  
ہونا چاہیے۔ کیونکہ اللہ سے تمہاری جس قدر ضروریات منعلق ہیں یا جن ضروریات  
کی خاطر تمہیں کسی کو الہ ماننے کی حاجت پیش آتی ہے، ان میں سے کوئی ضرورت  
بھی اقتدار کے بغیر پوری نہیں ہو سکتی۔ لہذا غیر مقتدر کا الہ ہونا بے معنی ہے حقیقت  
کے خلاف ہے، اور اس کی طرف رجوع کرنا لاجرا حاصل ہے۔

اس مرکزی خیال کو لے کر قرآن جس طریقہ سے استدلال کرتا ہے اس کے  
مقدمات اور نتائج حسب ذیل ترتیب کے ساتھ اچھی طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں:-  
۱۔ حاجتِ روانی، مشکل کشائی، پناہ دہندگی، امداد و اعانت، خبر گیری و  
حفاظت اور استجابتِ دعوات، جن کو تم نے معمولی کام سمجھ رکھا ہے،  
در اصل یہ معمولی کام نہیں ہیں بلکہ ان کا سرشتہ پورے نظام کائنات کی

تخلیقی اور انتظامی قوتوں سے جا ملتا ہے۔ تمھاری ذرا ذرا سی ضرورتیں جس طرح پوری ہوتی ہیں اس پر غور کرو تو معلوم ہو کہ زمین و آسمان کے عظیم الشان کارخانہ میں بے شمار اسباب کی مجموعی حرکت کے بغیر ان کا پورا ہونا محال ہے۔ پانی کا ایک گلاس جو تم پیتے ہو، اور گھوٹوں کا ایک ٹم جو تم کھاتے ہو اس کو تیار کرنے کے لیے سورج اور زمین اور ہواؤں اور سمندروں کو خدا جانے کتنا کام کرنا پڑتا ہے تب کہیں یہ چیزیں تم کو بہم پہنچتی ہیں۔ پس تمھاری دعائیں سننے اور تمھاری حاجتیں رفع کرنے کے لیے کوئی معمولی اقتدار نہیں بلکہ وہ اقتدار درکار ہے جو زمین و آسمان پیدا کرنے کے لیے سیاروں کو حرکت دینے کے لیے، ہواؤں کو گردش دینے اور بارش برسانے کے لیے، غرض پوری کائنات کا انتظام کرنے کے لیے درکار ہے۔

۲۔ یہ اقتدار ناقابل تقسیم ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ خلق کا اقتدار کسی کے پاس ہو، اور رزق کا کسی اور کے پاس۔ سورج کسی کے قبضہ میں ہو اور زمین کسی اور کے قبضہ میں۔ پیدا کرنا کسی کے اختیار میں ہو، بیماری و صحت کسی اور کے اختیار میں، اور موت اور زندگی کسی تیسرے کے اختیار میں، اگر ایسا ہوتا تو یہ نظام کائنات کبھی چل ہی نہ سکتا۔ لہذا تمام اقتدارات و اختیارات کا ایک ہی مرکزی فرمانروا کے قبضہ میں ہونا ضروری ہے۔

کائنات کا انتظام چاہتا ہے کہ ایسا ہو، اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔

۳۔ جب تمام اقتدار ایک ہی فرمانروا کے ہاتھ میں ہے اور اقتدار میں کسی کا ذرہ برابر کوئی حصہ نہیں ہے، تو لامحالہ الوہیت بھی بالکلید اسی فرماں روا

کے لیے خاص ہے اور اس میں بھی کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ کسی میں یہ طاقت نہیں کہ ٹھاری فریادری کر سکے، دعائیں قبول کر سکے، پناہ دے سکے، حامی و ناصر اور ولی و کار ساز بن سکے، نفع یا نقصان پہنچا سکے۔ لہذا اللہ کا جو مفہوم بھی تمہارے ذہن میں ہے اس کے لحاظ سے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کوئی اس معنی میں بھی اللہ نہیں کہ فرمانروائے کائنات کے ہاں مقرب بارگاہ ہونے کی حیثیت ہی سے اس کا کچھ زور چلتا ہو اور اس کی سفارش مانی جاتی ہو۔ اس کے انتظام سلطنت میں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کوئی اس کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا۔ اور سفارش قبول کرنا یا نہ کرنا بالکل اسی کے اختیار میں ہے۔ کوئی زور کسی کے پاس نہیں ہے کہ اس کے بل پر وہ اپنی سفارش قبول کر سکے۔

۴۔ اقتدارِ اعلیٰ کی وحدانیت کا اقتضایہ ہے کہ حاکمیت و فرمانروائی کی حقیقی قسمیں ہیں سب ایک ہی مقتدرِ اعلیٰ کی ذات میں مرکوز ہوں اور حاکمیت کا کوئی جز بھی کسی دوسرے کی طرف منتقل نہ ہو۔ جب خالق وہ ہے اور خلق میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب رزاق وہ ہے اور رزق رسانی میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، جب پورے نظام کائنات کا تدبیر و منتظم وہ ہے اور تدبیر و انتظام میں کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں، تو یقیناً حاکم و آمر اور شائع بھی اسی کو ہونا چاہیے اور اقتدار کی اس شق میں بھی کسی کے شریک ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ جس طرح اس کی سلطنت کے دائرے میں اس کے سوا کسی دوسرے کا فریادری اور حاجت دہا اور پناہ دہ

ہونا غلط ہے، اسی طرح کسی دوسرے کا مستقل بالذات حاکم اور خود مختار فرمانروا اور آزاد قانون ساز ہونا بھی غلط ہے۔ تخلیق اور رزق رسانی، ایجاد اور امانت تسخیر شمس و قمر اور تکویر لیل و نہار، قضا اور قدر، حکم اور پادشاہی، امر اور تشریح سب ایک ہی کئی اقتدار و حاکمیت کے مختلف پہلو ہیں اور یہ اقتدار و حاکمیت ناقابل تقسیم ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے حکم کی سند کے بغیر کسی کے حکم کو واجب الاطاعت سمجھتا ہے تو وہ ویسا ہی شرک کرتا ہے جیسا کہ ایک غیر اللہ سے دعائے مانگنے والا شرک کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص سیاسی معنی میں مالک الملک اور مقتدر اعلیٰ اور حاکم علی الاطلاق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا یہ دعویٰ بالکل اسی طرح خدائی کا دعویٰ ہے جس طرح فوق الطبیعی معنی میں کسی کا یہ کہنا کہ تمہارا ولی و کار ساز اور مددگار و محافظ میں ہوں۔ اسی لیے جہاں خلق اور تقدیر شہادت اور تدبیر کائنات میں اللہ کے لاشریک ہونے کا ذکر کیا گیا ہے وہیں

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ الْمُلْكُ اور لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ بھی کہا گیا ہے جو اس بات پر صاف دلالت کرتا ہے کہ الہییت کے مفہوم میں پادشاہی و حکمرانی کا مفہوم بھی شامل ہے اور توحید الہ کے لیے لازم ہے کہ اس مفہوم کے اعتبار سے بھی اللہ کے ساتھ کسی کی شریکت نہ تسلیم کی جائے۔ اس کو اور زیادہ کھول کر حسب ذیل آیات میں بیان کیا گیا ہے :-

قُلِ اللَّهُمَّ مَا لِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ  
تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُنْزِلُ  
مَنْ تَشَاءُ۔ (ال عمران - ۲۶)



کہو یا اللہ، تو جو ملک کا مالک ہے، تجھے اختیار ہے جسے چاہے حکومت  
دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جسے چاہے عزت دے اور  
جس کو چاہے ذلیل کر دے۔

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ  
الْكَبِيرِ - (المؤمنون - ۱۱۴)

پس بالادبر تر ہے اللہ جو حقیقی پادشاہ ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں  
وہ عرش بزرگ کا مالک ہے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، مَلِكِ النَّاسِ، إِلَهِ النَّاسِ (الناس - ۱-۴)  
کہو میں پناہ مانگتا ہوں انہما نوں کے رب سے، انسانوں کے پادشاہ  
سے، انسانوں کے اللہ سے۔

اور اس سے زیادہ تصریح سورہ المؤمن میں ہے جہاں فرمایا،  
يَوْمَ هُمْ بَرْزُورٌ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِّبِنِ الْمَلِكِ  
الْيَوْمَ، لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ - (المؤمن - ۱۶)

یعنی جس روز سب لوگ بے نقاب ہوں گے، کسی کا کوئی راز اللہ سے چھپا  
نہ ہوگا، اس وقت پکارا جائے گا کہ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اور جواب اس کے  
سوا کچھ نہ ہوگا کہ اس کیلئے اللہ کی جس کا اقتدار سب پر غالب ہے۔ اس آیت  
کی بہترین تفسیر وہ حدیث ہے جو امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کی  
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: - انہ تعالیٰ یطوی السموات  
والارض بیدک ثم یقول انا الملک انا الجبار انا المنکب انا ابن ملوک

الارض ۛ ابن الجبارون ۛ ابن المتكبرون ۛ اللہ تعالیٰ آسمانوں  
اور زمین کو اپنی مٹھی میں لے کر پکارے گا میں بہوں پادشاہ ہیں بہوں جبار ہیں بہوں متکبر  
کہاں ہیں وہ جو زمین میں پادشاہ بنتے تھے ۛ کہاں ہیں جبار ۛ کہاں ہیں متکبر ۛ عبداللہ  
بن عمر فرماتے ہیں کہ جس وقت حضورؐ خطبہ میں یہ الفاظ فرما رہے تھے اس وقت  
آپؐ پر ایسا لرزہ طاری تھا کہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں آپؐ ممبر سے گر نہ پڑیں۔

# رَبِّ

## لغوی تحقیق:

اس لفظ کا مادہ رَبَّ ب سے جس کا ابتدائی و اساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرف، خبر گیری، اصلاح حال اور تمام تکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:-

۱۔ پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً رَبَّیْتُ اور رَبَّیْتُہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں۔ نیز اس سچے کو بھی رَبَّیْب کہتے ہیں جو سوئیے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی رَبَّیْبہ کہتے ہیں۔ رابہ سوئیے کی ماں کو کہتے ہیں، کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر سچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رات سوئیے باپ کو کہتے ہیں۔ مَرَبَّب یا مَرَبَّبی اسی دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر کے رکھی جائے۔ دَبَّ۔ یُؤَبِّ۔ رَبَّک کے معنی اضافہ کرنے، بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں۔ جیسے رَبَّ النِّعْمَةِ، یعنی

احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

۲۔ سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے فلان یرب الناس یعنی فلاں

شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔

جمع ہونے کی جگہ کو مرتب کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہونے کو ترتیب کہیں گے۔

۳۔ خبر گیری کرنا، اصلاح حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا۔ مثلاً ربت

صبيحة کے معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی

کی۔ ابوسفیان سے صفوان نے کہا تھا لان یربى رجل من قريش

احب الى من ان یربى رجل من هوازن یعنی تشرش میں

سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت (سرپرستی) میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند

ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔ علقمہ بن عبیدہ

کا شعر ہے :-

و كنت اهدا انضت اليك ربابتی و قبلك ربنتی فضعت ربوبی

یعنی تجھ سے پہلے جو ربیٹس میرے مرتب تھے انھیں میں نے کھو دیا، آخر کار اب

میری کفالت و ربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزدق کہتا ہے :-

كانوا كسائله حقاء اذ حقنت سلاءه فاني اذير خير مودوب

اس شعر میں اذير خير مودوب سے مراد وہ چمڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو،

جسے دباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلان یرب صنعته عند فلان

کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے

کار گیری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

۴۔ فوقیت، بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قد مات

فلان قومہ۔ یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ ما بیت القوم

یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہو گیا۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے :-

واهلکن یومارب کندة وابنة ورب معد بین خبت ودرعد

یہاں رب کندہ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا

تھا۔ اس معنی میں نابغہ و بیانی کا شعر ہے :-

تخب الی النعمان حتی تنالہ فدی لک من رب تلیدی وطارنی

۵۔ مالک ہونا، مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نے پوچھا ارب غنم امد رب ابل؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں

کا؟ اس معنی میں گھر کے مالک کو رب الدار اور نٹنی کے مالک کو رب النانہ

جائداد کے مالک کو رب الضیعة کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا

لفظ آتا ہے اور عبد یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے

اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ هو انشا الشی حالاً حالاً

الی حد النہار یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایہ کمال کو پہنچانا۔

حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری

وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسب ذیل مفہومات پر حاوی ہے۔

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشوونما دینے والا۔

۲۔ کھیل، خبر گیری، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

- ۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس میں متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔
- ۴۔ سید مطلق، سرورِ ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جس کو تصرف کے اختیارات ہوں۔
- ۵۔ مالک، آقا۔

## قرآن میں لفظ رب کے استعمالات:

قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی فراد ہیں، کہیں اس سے زائد اور کہیں پانچوں معنی۔ اس بات کو ہم آیات قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں :-

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ - (یوسف - ۲۳)

اس نے کہا کہ پناہ بخدا! وہ تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

دوسرے معنی میں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے :-

فَاتَّهَمُ عَادُودًا لِّيَ إِلَٰهَ رَبِّ الْخَلْدِيِّ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ

اے کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت یوسفؑ عزیزِ مصر کو اپنا رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کو شبہ ہوا ہے، بلکہ دراصل ”وہ“ کا اشارہ خدا کی طرف ہے جس کی پناہ انھوں نے مانگی ہے۔

مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي جب مشاڈ الیہ قریب ہی مذکور ہے تو کوئی غیر مذکور مشاڈ الیہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

يَهْدِينِ، وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا امْرَأَتِي  
فَهُوَ يَنْفِقِينِ - (الشعراء - ۷۷-۸۰)

تمہارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز رب کائنات کے جس نے مجھے  
پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا  
ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ  
فَأَلَيْهِ تَجَرَّدُونَ ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِحْتُمْ  
مِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ - (النحل - ۵۳-۵۷)

تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر  
جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے  
ہو، مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں  
ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ اس نعمت کی بخشش اور اس  
مشکل کشائی میں دوسروں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہیں۔

قُلْ أَغْيَرَا اللَّهُ الْبَغْيَ رَبًّا وَهُوَ دَبُّ كُلِّ شَيْءٍ - (العام - ۱۶۲)

کہو! کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں۔ حالانکہ ہر چیز کا  
رب وہی ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ  
ذِكْرًا - (المزمل - ۹)

وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے۔ لہذا

اسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنا لے۔  
تیسرے معنی میں :-

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ - (ہود - ۳۲)

وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کرے جاؤ گے۔

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ - (الزمر - ۷)

پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری واپسی ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا - (سبا - ۲۶)

کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ

إِلَّا أُمَّةٌ مِّثْلُكُمْ مَا فَزَّحْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ - (الأنعام - ۳۸)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور ہوا میں اڑنے والا کوئی پرندہ ایسا

نہیں ہے جو تمہاری ہی طرح ایک امت نہ ہو۔ اور ہم نے اپنے دفتر

میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے۔ پھر وہ سب اپنے رب

کی طرف سمیٹے جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

يَسِيرُونَ - (یس - ۵۱)

اور جو نہی کہ صور پھونکا جائے گا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب

کی طرف نکل پڑیں گے۔



چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم و بیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے :-  
 اَتَّخَذُوا اٰجِبَارَ هُمْ وَّوَدَّعَابَهُمْ اَرَبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ -

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے علما اور درویشوں کو اپنا رب بنا لیا۔ (التوبہ - ۳۱)

وَلَا يَتَّخِذُ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرَبًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ - (آل عمران - ۶۴)

اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔

و دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا ہو۔ جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی سند کے تسلیم کیا جاتا ہو۔ جنہیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

اَمَّا اَحَدُكُمْ فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا . . . . . وَقَالَ لِلَّذِي

ظَنَّ اَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اِذْ كُرِنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَانْسُدْ

الشَّيْطٰنُ ذِكْرَكَ يٰٓرَبِّهِ - (يوسف - ۴۲)

یوسف (علیہ السلام) نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب

پلائے گا . . . . . اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسف کا

خیال تھا کہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسف نے کہا کہ اپنے رب سے

میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلا دے میں ڈال دیا اور اس

کو اپنے رب سے یوسف کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔

فَلَمَّا جَاءَكَ الرَّسُوْلُ قَالَ اُدْخِعْ اِلَيَّ رِبِّكَ فَاَسْئَلُهُ مَا

بِالْاِسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ

عَلَيْهِمْ - د يوسف - ۵۰)

جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ رکاٹ لیے تھے۔ میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعون مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدار اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے، تو وہی ان کا رب تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار دیتے ہیں، کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدر اعلیٰ اور صاحب امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں :-

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطَعَهُمْ مِنْ

جُوَيْعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ - (قریش - ۳-۴)

لہذا انہیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انہیں بد امنی سے محفوظ رکھا ہے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعَزَّةِ عَنَّا يَا صِفْوَانَ - (صافات - ۱۸۲)

تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفات عجیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَنَّا يَا صِفْوَانَ - (انبیاء - ۲۲)

اللہ جو عرش کا مالک ہے اُن تمام صفاتِ حمید سے پاک ہے جو یہ لوگ  
اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (المؤمنون - ۸۶)

پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرشِ بزرگ کا مالک کون ہے؟  
رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ  
الْمَشَارِقِ - (الصفّات - ۵)

وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو آسمان  
وزمین کے درمیان ہیں اور سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع  
ہوتا ہے۔

وَأَنَّهَا هِيَ رَبُّ الشَّعْرَى - (النجم - ۲۹)  
اور یہ کہ شعرى کا مالک بھی وہی ہے۔

## رُبُوبِيَّتِ كَيْ بَابِ مِيں گمراہ قوموں كے خيالات :

ان شواہد سے لفظِ رَبِّ كے معانی بالكل غير مشتبه طور پر معين ہو جاتے ہیں۔ اب  
ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ربوبیت كے متعلق گمراہ قوموں كے وہ كیا خيالات تھے جن كی تردید  
كرنے كے ليے قرآن آيا، اور كیا چیز ہے جس كی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اس  
سلسلہ ميں زيادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن گمراہ قوموں كا ذكر قرآن نے  
كيا ہے ان كو الگ الگ كے ان كے خيالات سے بحث كی جائے تا کہ  
بات بالكل متفق ہو جائے۔

## قوم نوح:

سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے، حضرت نوح کی قوم ہے۔ قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ حضرت نوح کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے:-

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بِرِيبٍ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً - (المؤمنون - ۲۲)

یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان۔ یہ دراصل تم پر اپنی <sup>فضیلت</sup>

جمانا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجا چاہتا تو فرشتوں

کو بھیجتا۔

انہیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے اور دوسرے معنی میں اس کے رب

ہونے سے بھی انکار نہ تھا۔ چنانچہ حضرت نوح جب ان سے کہتے ہیں کہ

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ - (ہود - ۳۲) اَسْتَغْفِرُكُمْ وَأُذَكِّرُكُمْ لِنَارِهِ

كَانَ عَقَادًا رُوحًا - (۱۰) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ

طِبَاقًا - وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا - وَاللَّهُ

أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا مَخْرُوجًا (نوح - ۱۵-۱۶) تو ان میں سے کوئی یہ نہیں

۱۵ وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ ۱۶ اپنے رب سے معافی

چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ ۱۷ دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت

آسمان تہ بہ تہ بنائے۔ اور چاند کو ان کے درمیان نور اور سورج کو چراغ بنایا اور تم کو

زمین سے پیدا کیا۔

گنا کہ اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہم کو اس نے پیدا نہیں کیا ہے، یا زمین و آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔

پھر ان کو اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا اللہ ہے۔ اسی لیے تو حضرت نوح نے اپنی دعوت ان کے سامنے ان الفاظ میں پیش کی کہ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ (اس کے سوا تمہارے لیے کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے) ورنہ وہ اگر اللہ کے اللہ ہونے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے اَتَّخَذُوا اللَّهَ إِلَهًا (اللہ کو اپنا اللہ بنا لو)

اب سوال یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوح کے درمیان نزاع کس کس بات پر تھی؟ آیات قرآنی کے تنبیح سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت نوح کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العلمین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمہیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمہاری خدایاں کا کفیل ہے، دراصل وہی اکیلا تمہارا اللہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ کوئی اور مستی نہیں ہے جو تمہاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور درد کو پہنچنے والی ہو۔ لہذا تم اسی کے آگے سر نیباڑ جھکاؤ۔

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ . . . . .  
وَلِكُنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ - أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَتِ

رَبِّي - (اعراف - ۵۹ - ۶۲)

اے برادران قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارے لیے

کوئی دوسرا اللہ نہیں ہے۔ . . . . مگر میں رب العلمین کی طرف سے پیغامبر ہوں۔ تمہیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مہر تھے کہ رب العلمین تو اللہ ہی ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو اللہ مانیں گے۔  
 وَقَالُوا لَا تَنْزِيلَ مِنَ إِلٰهَتِكُمْ وَلَا تَنْزِيلٌ مِنَّا وَلَا سَوَاعَا  
 ذَّلَا يَخُوتٌ وَلَا يَجُوتٌ وَلَا نَسْرًا۔ (نوح - ۲۳)

ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو! اپنے اللہوں کو نہ چھوڑو  
 ودا اور سواع اور یجوت اور نسرا اور نسر کو نہ چھوڑو۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک اور کائنات کا مدبرِ اعلیٰ ہے۔ لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت، تمدن، سیاست اور تمام معاملات زندگی میں بھی حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی رہنما، وہی قانون ساز، وہی صاحبِ امر و نہی بھی ہے اور اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملات میں انہوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوح کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو۔ تمام مفہومات کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور احکام ہیں تمہیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (الشعراء، ۱۰۷-۱۰۸)

میں تمہارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں۔ لہذا اللہ سے ڈرو اور  
میری اطاعت کرو۔

## قوم عاد:

قوم نوح کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی مہستی سے  
منکر نہ تھی۔ اس کے اللہ ہونے سے بھی اس کو انکار نہ تھا۔ جس معنی میں حضرت  
نوح کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اس معنی میں یہ قوم بھی اللہ کو رب مان رہی  
تھی۔ البتہ بنائے نزع وہی دو امور تھے جو اوپر قوم نوح کے سلسلہ میں بیان ہو  
چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:-

وَاللّٰی عَادِ اٰخَاھُمْ هُوْدًا، قَالَ یَقُوْمِا عِبَادًا لِلّٰہِ  
مَا لَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ غَیْرَہٗ . . . . . قَالُوْا اَجِئْنَا لِنَعْبُدَ

اللّٰہَ وَحَدَآءَ وَنَدَّ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا۔ (اعراف - ۷۵-۷۶)

عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے  
برادران قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں  
. . . . . انھوں نے جواب دیا کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہم بس  
اکیسے اللہ ہی کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت  
ہمارے باپ دادا کے وقتوں سے ہوتی آرہی ہے۔

قَالُوْا کَوْسَاۗءَ رَبِّنَا اَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً۔ (حم السجده - ۱۲)

انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا أَمْرًا سُلْطَانًا  
وَاتَّبَعُوا أَمْرًا كَلِمًا جَبَّارًا عَزِيزًا (سُورَةُ هُودٍ - ۵۹)

اور یہ عاد ہیں جنہوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے انکار  
کیا اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبار دشمن حق کی  
پیروی اختیار کر لی۔

### قوم ثمود:

اب ثمود کو بھیجیے جو عاد کے بعد سب سے بڑی سرکش قوم تھی۔ اصولاً اس کی  
مگر اسی ہی قسم کی تھی جو قوم نوح اور قوم عاد کی بیان ہوئی ہے۔ ان لوگوں  
کو اللہ کے وجود اور اس کے الہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اس کی عبادت  
سے بھی انکار نہ تھا۔ بلکہ انکار اس بات سے تھا کہ اللہ ہی الہ واحد ہے اور  
وہی عبادت کا مستحق ہے، اور ربوبیت اپنے تمام معانی کے ساتھ اکیلے اللہ ہی  
کے لیے خاص ہے وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریاد رس، حاجت روا،  
اور مشکل کشا ماننے پر اصرار کرتے تھے۔ اور اپنی اخلاقی و تمدنی زندگی میں اللہ  
کے بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے اور ان سے اپنی  
زندگی کا قانون لینے پر مصر تھے۔ یہی چیز بالآخر ان کے ایک فساد ہی قوم بن جانے  
اور ابتلائے عذاب ہونے کی موجب ہوئی۔ اس کی توضیح حسب ذیل آیات  
سے ہوتی ہے:-

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ  
عَادٍ وَتَمُودَ إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ



وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا  
لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَأِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ۔

اے محمد! اگر یہ لوگ تمہاری پیروی سے منہ موڑتے ہیں تو ان سے  
کہہ دو کہ عباد اور ثمود کو جو سزا ملی تھی ویسی ہی ایک ہولناک سزا سے  
میں تم کو ڈراتا ہوں۔ جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آگے او  
پیچھے سے آئے اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انہوں  
کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے  
ہم نہیں مانتے۔ (حکم السجہہ - ۱۳ - ۱۲)

وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا لِلدُّنْيَا بَنَاتٍ أَتَبَوَّءُوا لِلدُّنْيَا  
مَالَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُوا . . . . . قَالُوا يَا صَاحِبِ  
مُؤْمِنَاتِنَا أَرْسَلْنَاكَ قُبُلًا شَاتِيَةً لِقَوْمٍ يَكْفُرُونَ  
يَعْبُدُونَ آبَاءَنَا۔ (ہود - ۶۱ - ۶۲)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) کو بھیجا۔  
اس نے کہا اے برا دران قوم! اللہ کی پرستش و بندگی کرو۔ اس کے  
سوا تمہارا کوئی اللہ نہیں ہے۔ . . . . انہوں نے کہا  
صالح! اس سے پہلے تو ہماری بڑی امیدیں تم سے تھیں، کیا تم ہمیں  
ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی  
چلی آرہی ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَتِلَّاتْتَفُونَ، إِنْ لَكُمْ رَسُولٌ

آمِينَ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا . . . وَلَا تُطِيعُوا  
 أَمْرًا مَسْرُوفِينَ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا  
 يُصْلِحُونَ - (الشعراء - ۱۴۲ - ۱۵۲)

جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں  
 اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں ہے دیکھو میں تمہارے اللہ کا معتبر رسول ہوں  
 لہذا اللہ کی ناراضی سے بچو اور میری اطاعت قبول کرو . . . . .  
 اور ان حد سے گذرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد  
 برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

## قوم ابراہیمؑ و فرود:

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا نمبر آتا ہے۔ اس قوم کا معاملہ خاص  
 طور پر اس لیے اہم ہے کہ اس کے بادشاہ فرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے  
 کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ حالانکہ وہ اللہ کی سستی کا قائل تھا،  
 اس کے خالق و مدبر کائنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے چوتھے اور  
 پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام  
 غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل ناواقف تھی اور اس کے الہ اور رب  
 ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی۔ حالانکہ فی الواقع اس قوم کا معاملہ قوم نوح  
 اور عاد اور ثمود سے کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا  
 رب ہونا اور خالق ارض و سما اور مدبر کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی

عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی۔ البتہ اس کی گمراہی یہ تھی کہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرام فلکی کو حتمہ وار سمجھتی تھی۔ اور اس بنا پر اللہ کے ساتھ ان کو بھی معبود قرار دیتی تھی۔ اور ربوبیت بمعنی سوم و چہارم و پنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہوں کو رب بنا رکھا تھا۔ قرآن کی نصیحتات اس بائے میں اتنی واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے آغازِ ہوش کا وہ واقعہ لیجیے جس میں نبوت سے پہلے ان کی تلاشِ حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا  
 أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْإِفْلَاقَ ، فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِلًا  
 قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ، فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ  
 بَازِلَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ  
 لِقَوْمِ رَبِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ، رَبِّي وَجْهَتْ وَجْهِي  
 لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ  
 الْمُشْرِكِينَ۔ (العام - ۷۷ - ۸۰)

جب اس پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا۔ کہنے لگا یہ میرا رب ہے۔ مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں کو تو میں پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند چمکنا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا، اگر میرے رب

نے میری رہنمائی نہ فرمائی تو یہ خطرہ ہے کہ کہیں میں بھی ان گمراہ لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ سب بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو وہ پکارا اٹھا کہ اے برادرانِ قوم جو شرک تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں میں نے تو سب طرف سے مُنہ موڑ کر اپنا رخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

خط کشیدہ فقروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے آنکھ کھولی تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کا تصور اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور، ان سیاروں کی ربوبیت کے تصور سے الگ موجود تھا۔ اور آخر کیوں نہ موجود ہوتا جبکہ یہ لوگ ان مسلمانوں کی نسل سے تھے جو حضرت نوح (علیہ السلام) پر ایمان لائے تھے، اور ان کی قریبی رشتہ دار ہمسایہ اقوام (عاد و ثمود) میں پے درپے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے دین اسلام کی تجدید بھی ہوتی چلی آ رہی تھی (جاءتہم الرسل من بین آیدایہم و من خلفہم) پس حضرت ابراہیم کو اللہ کے ناطق السہوت والارض اور رب ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے مل چکا تھا، البتہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظامِ ربوبیت میں اللہ کے ساتھ چاند، سورج اور سیاروں کے شریک ہونے کا جو خیال ان کی قوم میں پایا جاتا ہے، اور جس کی بنا پر لوگ

عبادت میں بھی اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرا رہے ہیں، یہ کہاں تک مبنی  
 برحقیقت ہے۔ چنانچہ نبوت سے پہلے اسی کی جستجو اظہوں نے کی اور طلوع و غروب  
 کا انتظام ان کے لیے اس امر واقعی تک پہنچنے میں دلیل راہ بن گیا کہ فاطر  
 السموات والارض کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب  
 ہونے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے رب، یعنی اللہ نے میری زمینمانی نہ فرمائی  
 تو خوف ہے کہ کہیں میں بھی حقیقت تک سائی پانے سے نہ رہ جاؤں، اور ان  
 مظاہر سے دھوکا نہ کھا جاؤں جن سے میرے گرد و پیش لاکھوں انسان دھوکا  
 کھا رہے ہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیمؑ نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور اظہوں نے  
 دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے تھے  
 ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی  
 ہے۔ فرماتے ہیں:-

وَكَيْفَ آخَاتُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ

۱۵ یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ حضرت ابراہیمؑ کے وطن اُر کے متعلق آثارِ  
 قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چند رماں دیوتا کی  
 پرستش ہوتی تھی جسے اُن کی زبان میں ”ننار“ کہا جاتا تھا۔ اور اس کے ہمسایہ علاقہ میں جس کا  
 مرکز دسہ تھا سورج دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان میں شماش تھا۔ اس ملک  
 کے فرمانروا خاندان کا بانی اُرغو تھا جو عرب میں جا کر نمرود ہو گیا، اور اسی کے نام پر وہاں فرمانروا  
 کا لقب ہی نمرود قرار پایا، جیسے نظام الملک کے جانشین نظام کہتے ہیں۔

يَا لَللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا - (العام - ۸۲)  
 اور آخر میں ان سے کس طرح ڈر سکتا ہوں جنہیں تم اللہ کا شریک ٹھہراتے  
 ہو، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے  
 الہیت و ربوبیت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمہارے پاس کوئی سند  
 نہیں بھیجی ہے۔

وَاَعْتٰزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ - (مریم - ۴۸)  
 تم اللہ کے سوا اور جن جن سے دعائیں مانگتے ہو ان سے میں دست کش ہوتا ہوں۔  
 قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْاِذِىْ  
 فَطَرَهُنَّ . . . . . قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا  
 يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ - (انبیاء، ۵۶ - ۶۶)  
 کہا تمہارا رب تو صرف آسمانوں اور زمین کا رب ہی ہے جس نے  
 ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے . . . . . کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا  
 ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار  
 نہیں رکھتے؟

اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ دَعُوْا لِقَوْمِىْ مَا ذٰلِكَ عِبَادَةٌ اِلٰهًا  
 دُوْنَ اللّٰهِ تَرْيَدُوْنَ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ - (صافات، ۸۵)  
 جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا یہ تم  
 کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الہوں  
 کی بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العالمین کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا  
بِكُمْ وَبَدَّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا  
حَتَّىٰ تُوْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدَاكُمَا - (الممتحنہ - ۲)

ابراہیم علیہ السلام اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم کے لوگوں  
سے صاف کہہ دیا کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن جن کی عبادت  
تم کرتے ہو ان سب سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمہارے طریقے کو ماننے سے  
انکار کر چکے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لیے بغض  
وعداوت کی بنا پڑ گئی ہے جب تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔  
کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے جو اللہ سے بالکل ناواقف اور اس کے  
رب العلیین اور محبوب ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے۔ بلکہ وہ لوگ تھے جو اللہ  
کے ساتھ ربوبیت (یعنی اول و دوم) اور الہیت میں دوسروں کو شریک قرار  
دیتے تھے۔ اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابراہیم کا کوئی ایسا  
قول موجود نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی ہستی اور اس کے اللہ  
اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہوگی، بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز  
دیتے ہیں۔ کہ اللہ ہی رب اور اللہ ہے۔

اب مزود کے حاملہ کو بھیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیم کی جو گفتگو ہوئی اسے  
قرآن اس طرح نقل کرتا ہے :-

الْمُرَاتِلِ إِلَى الَّذِي حَاجَّكَ بَرَاهِيمَ فِي رَيْبِهِ أَنِ اتَّقِ اللَّهَ

الْمَلِكِ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُبْحِي وَيُبْطِنُ  
قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي  
بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ  
الَّذِي كَفَرَ - (بقرہ - ۲۵۸)

تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے، تو اس نے کہا زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیمؑ نے کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو ذرا اُسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر بہت ہو کر رہ گیا۔

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام "رب" کیسے تسلیم کرتے ہیں۔ مخروہ اول تو اُس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی۔ دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح احمقانہ بات کبھی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے۔ پس دراصل اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں، یا رب السموات والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس مملکت کا "رب" ہوں جس کی تہمت کا ایک فرد ابراہیمؑ ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعویٰ بھی اسے ربوبیت کے پہلے



اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس اعتبار سے تو وہ خود چاند اور سورج اور سیاروں کی ربوبیت کا قائل تھا۔ البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی مملکت کا رب بنتا تھا۔ یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے ہیں، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے، اور میرا فرمان ان کے لیے قانون ہے۔ اِنَّ اِلٰهَ اللّٰهِ الْمَلِكُ کے الفاظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیم نامی ایک نوجوان اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور سیاروں کی فوق الفطری ربوبیت کا قائل ہے اور نہ بادشاہ وقت کی سیاسی و تمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے، تو اس کو تعجب ہوا اور اس نے حضرت ابراہیم کو بلا کر دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو؟ حضرت ابراہیم نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضہ قدرت میں زندگی اور موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی نہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کرنی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں جسے چاہوں قتل کر دوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کر دوں۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنها اللہ ہی رب ہے، اس نظام کائنات میں کسی دوسرے کی ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہو سکتی ہے جبکہ سورج کے طلوع و غروب پر وہ فترہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ غرود آدمی

ذی ہوش تھا۔ اس دلیل کو سن کر اس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ فی الواقع اللہ کی اس سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بجز ایک زعم باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ مگر نفس پرستی اور شخصی و خاندانی اغراض کی بندگی ایسی دامن گیر ہوئی کہ حق کے ظہور کے باوجود وہ خود مختارانہ حکمرانی کے منصب سے اتر کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ** (مکر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہور حق کے بعد جو رویت اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے غاصبانہ فرمانروائی کر کے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلط کر دے۔

## قوم لوط:

قوم ابراہیمؑ کے بعد ہمارے سامنے وہ قوم آتی ہے جس کی اصلاح پر حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے حضرت لوطؑ نامور کیے گئے تھے۔ اس قوم کے متعلق بھی قرآن سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ تو اللہ کے وجود کی منکر تھی نہ اس بات کی منکر تھی کہ اللہ خالق اور رب یعنی اول و دوم ہے۔ البتہ اسے انکار اس سے تھا کہ اللہ ہی کو تیسرے چوتھے اور پانچویں معنی میں بھی رب مانے اور اس کے معتمد علیہ نمائندے کی حیثیت سے رسول کے اقتدار کو تسلیم کرے۔ وہ چاہتی تھی کہ

اپنی خواہش نفس کے مطابق خود جس طرح چاہے کام کرے۔ یہی اس کا اصلی جرم تھا اور اسی بنا پر وہ عذاب میں مبتلا ہوئی۔ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر شاہد ہیں :-

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ  
 أَمِينٌ۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ  
 مِنْ أَجْرٍ، إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ أَنَا نُؤْتِي  
 الذُّكْرَانَ مِنَ الْعَالَمِينَ وَ تَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ  
 رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ۔

جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کہ تم تقویٰ نہ اختیار کرو گے؟  
 دیکھو میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ لہذا اللہ کے غضب  
 سے بچو اور میری اطاعت کرو۔ اس کام پر میں تم سے کوئی معاوضہ  
 نہیں مانگتا، میرا معاوضہ تو صرف رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا دنیا  
 کے لوگوں میں سے تم لڑکوں کی طرف جاتے ہو اور تمہارے رب نے  
 تمہارے لیے جو بیویاں پیدا کی ہیں انہیں چھوڑ دیتے ہو؟ تم بڑے  
 ہی حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔ (الشعراء - ۱۴۲ - ۱۴۶)

ظاہر ہے کہ یہ خطاب ایسے ہی لوگوں سے ہو سکتا تھا جو اللہ کے مجرور اور  
 اس کے خالق اور پروردگار ہونے کے منکر نہ ہوں چنانچہ جواب میں وہ بھی یہ نہیں  
 کہتے کہ اللہ کیا چیز ہے یا وہ پیدا کرنے والا کون ہوتا ہے؟ یا وہ کہاں سے  
 ہمارا رب ہو گیا؟ بلکہ کہتے یہ ہیں کہ :-

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهَ يَلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَحْجُوبِينَ (الشعرا - ۱۱۶)  
 اے لوط! اگر تم اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ملک سے نکال کر باہر  
 کیے جاؤ گے۔

دوسری جگہ اس واقعہ کو یوں سر بایا گیا ہے :-

وَلَوْ طَّا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَأَنْتَؤُنَ الْفَاحِشَةَ مَا  
 سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ - إِنَّكُمْ لَأَنْتَؤُنَ  
 الرِّجَالِ دَلْفُطْعُونَ السَّبِيلِ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمْ  
 الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا  
 بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ - (عنکبوت - ۲۸ - ۲۹)

اور ہم نے لوط کو بھیجا۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ وہ فعل  
 شنیع کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہ کیا تھا، کیا تم مردوں سے  
 شہوت رانی کرتے ہو، راستوں پر ڈاکے مارتے ہو، اور اپنی مجلسوں  
 میں علانیہ ایک دوسرے کے سامنے بدکاریاں کرتے ہو؟ تو اس  
 کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اے آؤ ہم پر اللہ کا عذاب  
 اگر تم سچے ہو۔

کیا یہ جواب کسی منکر خدا قوم کا ہو سکتا تھا؟ پس معلوم ہوا کہ ان کا اصلی جرم  
 انکار الوہیت و ربوبیت نہ تھا، بلکہ یہ تھا کہ اگرچہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کو  
 اللہ اور رب مانتے تھے، لیکن اپنے اخلاق، تمدن اور معاشرت میں اللہ کی اطاعت  
 اور اس کے قانون کی پیروی کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے رسول کی

ہدایت پر چلنے کے لیے تیار نہ تھے۔

## قومِ شعیبؑ:

اس کے بعد اہل مدین اور اصحاب الایکہ کو بھیجے جن میں حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے وجود اور اس کے الہ اور رب ہونے کے قائل تھے یا نہ تھے۔ ان کی حیثیتِ راصل ایک ایسی قوم کی تھی جس کی ابتدا اسلام سے ہوئی اور بعد میں وہ عفتانہ و اعمال کی خرابیوں میں مبتلا ہو کر بگڑتی چلی گئی۔ بلکہ قرآن سے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ مومن ہونے کے بھی مدعی تھے۔ چنانچہ بار بار حضرت شعیبؑ ان سے فرماتے ہیں کہ ”اگر تم مومن ہو“ تو تمہیں یہ کرنا چاہیے۔ حضرت شعیبؑ کی ساری تقریروں اور ان کے جوابات کو دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قوم تھی جو اللہ کو مانتی تھی، اسے معبود اور پروردگار بھی تسلیم کرتی تھی، مگر وہ طرح کی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک یہ کہ وہ فوق الفطری معنی میں اللہ کے سوا دوسروں کو بھی الہ اور رب سمجھنے لگی تھی، اس لیے اس کی عبادت صرف اللہ کے لیے مختص نہ رہی تھی۔ دوسرے یہ کہ اس کے نزدیک اللہ کی ربوبیت کو انسان کے اخلاق، معاشرت، معیشت اور تمدن و سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، اس بنا پر وہ کہتی تھی کہ اپنی تمدنی زندگی میں ہم مختار ہیں، اپنے معاملات کو جس طرح چاہیں چلاویں۔

قرآن کی حسب ذیل آیات ہمارے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں :-  
 وَاللّٰی مَدَیْنِ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَقَوْمِ اَعْبُدُوا اللّٰهَ مَا  
 لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَ تَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَاذْكُرُوا  
 الْكَيْلَ وَاللِّبْرَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ  
 وَلَا تَفْسِدُوا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ وُضْعِهَا ذَا لِكُمْ خَيْرٌ  
 لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ . . . . . وَاِنْ كَانَ طَائِفَةٌ  
 مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا  
 فَاَصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ (اعان  
 اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا۔ اس نے کہا،  
 اے برا اوران قوم! اللہ کی بندگی کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی الہ  
 نہیں ہے۔ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس روشن ہدایت  
 آچکی ہے۔ پس تم ناپ تول ٹھیک کرو، لوگوں کو ان کی چیزوں میں  
 گھٹانہ دیا کرو، اور زمین میں فساد نہ کرو جبکہ اس کی اصلاح کی جا چکی  
 تھی۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے اگر تم مومن ہو . . . . . اگر  
 تم میں سے ایک گروہ اس ہدایت پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں  
 ایمان لاتا ہے اور دوسرا ایمان نہیں لاتا تو انتظار کرو یہاں تک کہ  
 اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔  
 وَيَقَوْمِ اذْكُرُوا الْكَيْلَ وَاللِّبْرَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا  
 النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَحْتَوْنِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ،

بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، وَمَا آتَا  
عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ - قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا لِمَا عَلَّمْنَاكَ مَا مَوْكَ  
إِنَّ فَتْرَكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤَنَا وَإِنَّ لِنَفْعَلُ فِي أَمْوَالِنَا  
مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ - (سُورَةُ ۸۵-۸۶)

اے برادران قوم! پیمانے اور نراز و انصاف کے ساتھ پورے پورے  
ناپورا اور تولو، لوگوں کو ان چیزوں میں گھاٹا نہ دو، اور زمین میں فساد نہ  
برپا کرتے پھرو۔ اللہ کی عنایت سے کاروبار میں جو بچت ہو وہ ہی  
تمہارے لیے بہت سے، اگر تم مومن ہو۔ اور میں تمہارے اوپر کوئی نگہبان  
نہیں ہوں۔ اطفال نے جواب دیا اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں

یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے باپ  
دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے، یا یہ کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے  
مطابق تصرف کرنا ترک دیں؟ تم ہی تو ایک بار بار اور راست باز  
رہ گئے ہو!

آخری خط کشیدہ الفاظ خصوصیت کے ساتھ اس بات کو واضح کر دیتے ہیں  
کہ ربوبیت والوہیت کے بارے میں ان کی اصل گمراہی کیا تھی۔

## فرعون اور آل فرعون:

اب ہمیں فرعون اور اس کی قوم کو دیکھنا چاہیے جس کے باب میں مزود اور  
اس کی قوم سے بھی زیادہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ فرعون نہ صرف

خدا کی ہستی کا منکر تھا بلکہ خود خدا ہونے کا مدعی تھا۔ یعنی اس کا دماغ اتنا خراب ہو گیا تھا کہ دنیا کے سامنے کھلم کھلا یہ دعویٰ کرتا تھا کہ میں خالق ارض و سما ہوں، اور اس کی قوم اتنی پاگل تھی کہ اس کے دعوے پر ایمان لاتی تھی۔ حالانکہ قرآن اور تاریخ کی شہادت سے اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ الوہیت و ربوبیت کے باب میں اس کی گمراہی نمرود کی گمراہی سے ہے، اور اس کی قوم کی گمراہی قوم نمرود کی گمراہی سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھی۔ فرق جو کچھ تھا وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہاں سیاسی اسباب سے بنی اسرائیل کے ساتھ ایک قوم پرستانہ خدا اور متعصبانہ ہٹ دھرمی پیدا ہو گئی تھی اس لیے محض عناد کی بنا پر اللہ کو اللہ اور رب ماننے سے انکار کیا جاتا تھا اگرچہ دونوں میں اس کا اعتراف چھپا ہوا تھا۔ جیسا کہ آج کل بھی اکثر دہریوں کا حال ہے۔

اصل واقعات یہ ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جب مصریوں میں اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے اپنی پوری قوت اسلام کی تعلیم پھیلانے میں صرف کر دی۔ اور سرزمین مصر پر اتنا گہرا نقش مرتسم کیا کہ صدیوں تک کسی کے ٹکڑے نہ مٹ سکا۔ اُس وقت چاہے تمام اہل مصر نے دین حق قبول نہ کر لیا ہو۔ مگر یہ ناممکن تھا کہ مصر میں کوئی شخص اللہ سے ناواقف رہ گیا ہو اور یہ نہ جان گیا ہو کہ وہی خالق ارض و سما ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات کا کم سے کم اتنا اثر ہر مصری پر ضرور ہو گیا تھا کہ وہ فوق الفطری معنوں میں اللہ کو اللہ الالہ اور رب الارباب تسلیم کرتا تھا اور کوئی مصری اللہ کی الوہیت کا منکر نہ رہا تھا۔ البتہ جو ان میں کفر پر قائم رہ گئے تھے وہ الوہیت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے۔ بہ اثرات



حضرت موسیٰ کی بعثت کے وقت تک باقی تھے۔ چنانچہ اس کا صریح ثبوت وہ تقریباً  
ہے جو فرعون کے دربار میں ایک قبطنی سردار نے کی تھی۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ  
کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو اس کے دربار کا یہ امیر جو مسلمان ہو چکا تھا مگر اپنا اسلام  
چھپائے ہوئے تھا، بے قرار ہو کر بول اٹھا:-

اَتَقْتُلُونَ رَجُلًا اَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ  
مِنْ رَبِّكُمْ فَاِنْ يَكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ - وَاِنْ يَكُ  
صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَبْعِدُكُمْ اِنَّ اللهَ لَآ يَهْدِي  
مَنْ هُوَ مُسْرِتٌ كَذَّابٌ، يَقَوْمِ لَكُمْ الْمَلِكُ الْيَوْمَ

۱۔ اگر توراہ کے تاریخی بیان پر اعتماد کیا جائے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مصر کی آبادی کا تقریباً  
پانچواں حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ توراہ میں بنی اسرائیل کی جو مردم شماری درج کی گئی ہے اس  
کی رو سے وہ لوگ جو حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلے تھے تقریباً ۶۰ لاکھ تھے۔ اور مصر  
کی آبادی اس زمانہ میں ایک کروڑ سے زیادہ نہ ہوگی۔ توراہ میں ان سب لوگوں کو بنی  
اسرائیل کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ لیکن کسی حساب سے یہ ممکن نظر نہیں آتا کہ حضرت  
یعقوبؑ کے ۲ اہلیوں کی اولاد ۵ سو سال کے اندر پڑھ کر ۶۰ لاکھ ہو گئی ہو۔ لہذا قیاس  
یہی چاہتا ہے کہ مصر کے لوگوں میں سے ایک بہت بڑی تعداد مسلمان ہو کر بنی اسرائیل  
میں شامل ہو گئی اور ہجرت کے موقع پر ان مصری مسلمانوں نے بھی اسرائیلی مسلمانوں  
کا ساتھ دیا ہوگا اس سے اس تبلیغی کام کا اندازہ ہو سکتا ہے جو حضرت یوسفؑ اور ان کے  
خلفاء نے مصر میں کیا

ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ  
جَاءَنَا؟ . . . . . يَفْقَدُوا إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِثْلَ  
يَوْمِ الْأَحْزَابِ مِثْلَ دَابِ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ، وَ  
الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ . . . . . وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ  
مِنْ قَبْلِ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا نَزَلْنَا فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ  
حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا . . . . .  
وَيَقُولُ مَا إِلَىٰ آدُعُوكُمْ إِلَى التَّجْوِيزِ وَ  
تَدْعُونِي إِلَى النَّارِ تَدْعُونِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ  
عِلْمٌ وَأَنَا آدُعُوكُمْ إِلَى الْعِزِّ نِيذِ الْعَفَّارِ - (المومن - ۲۵-۲۴)

کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب  
اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے سامنے  
کھلی کھلی نشانیاں لایا ہے؟ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا  
دوبال اس پر ضرور پڑے گا۔ لیکن اگر وہ سچا ہے تو جس انجام سے وہ  
تمہیں ڈرا رہا ہے اس میں سے کچھ نہ کچھ تو تم پر نازل ہو کے رہے گا۔  
یقین جانو کہ اللہ کسی حد سے بڑھے ہوئے جھوٹے آدمی کو فلاح کا راستہ  
نہیں دکھاتا۔ اے برادرانِ قوم! آج تمہارے ہاتھ میں حکومت ہے،  
زمین میں تم غالب ہو، مگر کل اللہ کا عذاب ہم پر آجائے تو کون ہماری  
مدد کرے گا؟ . . . . . اے برادرانِ قوم! میں ڈرتا ہوں  
کہ کہیں تم پر وہ دن نہ آجائے جو بڑی بڑی قوموں پر آچکا ہے، اور

وہی انجام تمھارا نہ ہو جو قوم نوح اور عاد اور ثمود اور بعد کی قوموں کا  
 ہوا۔ . . . . اس سے پہلے یوسف (علیہ السلام) تمھارے  
 پاس روشن نشانیاں لے کر آئے تو تم اس چیز کے متعلق شک میں  
 پڑے رہے جسے وہ لائے تھے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم  
 نے کہا کہ اللہ ان کے بعد کوئی رسول نہ بھیجے گا۔ . . . . اور  
 اسے برا اور ان قوم! یہ عجیب معاملہ ہے کہ میں تمھیں نجات کی طرف  
 بلاتا ہوں اور تم مجھے اگ کی طرف دعوت دیتے ہو تم مجھے اس  
 طرف بلاتے ہو کہ میں اللہ کے ساتھ کفر کر دوں اور اس کے ساتھ  
 ان کو شریک ٹھیراؤں جن کے شریک ہونے پر میرے پاس کوئی علمی  
 ثبوت نہیں ہے اور میں تمھیں اس کی طرف بلاتا ہوں جو سب سے  
 زبردست ہے اور بخشنے والا ہے۔

یہ پوری تقریر اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظیم  
 شخصیت کا اثر کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس وقت تک باقی تھا اور  
 اس جلیل القدر نبی کی تعلیم سے متاثر ہونے کے باعث یہ قوم جہالت کے  
 اس مرتبے پر نہ تھی کہ اللہ کی ہستی سے بالکل ہی ناواقف ہوتی یا یہ نہ جانتی کہ  
 اللہ رب اور اللہ ہے اور قوائے فطرت پر اس کا غلبہ و قہر قائم ہے اور اس کا  
 غضب کوئی ڈرنے کی چیز ہے۔ اس کے آخری فقرے سے یہ بھی صاف  
 معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم اللہ کی الوہیت و ربوبیت کی قطعاً منکر نہ تھی بلکہ اس  
 کی گمراہی وہی تھی جو دوسری قوموں کی بیان ہو چکی ہے۔ یعنی ان دونوں جہنمیوں

میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھیرانا۔

شُبَّہ جس وجہ سے واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرعون حضرت موسیٰؑ کی زبان سے اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ہم رب العالمین کے رسول ہیں) سن کر پوچھتا ہے وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (رب العالمین کیا چیز ہے؟)۔ اپنے وزیر ہاما سے کہتا ہے کہ میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا کہ میں موسیٰ کے الہ کو دیکھوں حضرت موسیٰ کو دھمکی دیتا ہے کہ میرے سوا کسی اور کو تم نے الہ بنایا تو میں مختیر قید کروں گا۔ ملک بھر میں اعلان کرتا ہے کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ اپنے درباریوں سے کہتا ہے کہ میں اپنے سوا تمہارے کسی الہ کو نہیں جانتا۔ اس قسم فقرات دیکھ کر لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید کہ وہ اللہ کی ہستی ہی کا منکر تھا، رب العالمین کے تصور سے بالکل خالی الذہن تھا اور اپنے آپ ہی کو واحد معبود سمجھتا تھا۔ مگر اصل واقعہ یہ ہے کہ اس کی یہ تمام باتیں قوم پرستانہ ضد کی وجہ سے تھیں۔ حضرت یوسف کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوا تھا کہ آنجناب کی زبردست شخصیت کے اثر سے اسلام کی تعلیمات مصر میں پھیل گئی تھیں، بلکہ حکومت میں جو اقتدار ان کو حاصل ہوا تھا ان کی بدولت بنی اسرائیل مصر میں بہت با اثر ہو گئے تھے۔ تین چار سو سال تک یہ اسرائیلی اقتدار مصر پر چھایا رہا۔ پھر وہاں اسرائیلیوں کے خلاف قوم پرستانہ جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے۔ یہاں تک کہ ان کے اقتدار کو الٹ پھینکا گیا اور ایک مصری قوم پرست خاندان فرمانروا ہو گیا۔ ان نئے فرمانرواؤں نے محض اسرائیلیوں کو دبانے اور کھینے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ دیر یوسفی کے ایک ایک اثر کو مٹانے اور اپنے قایم جاہلی مذہب

کی روایات کو تازہ کرنے کی کوشش کی۔ اس حالت میں جب حضرت موسیٰ  
 تشریف لائے تو ان لوگوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں اقتدار پھر ہمارے ہاتھ سے نکل کر  
 اسرائیلیوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔ یہی عناد اور ہٹ دھرمی کا جذبہ تھا جس کی  
 بنا پر فرعون چنדרا چندرا کو حضرت موسیٰ سے پوچھتا تھا کہ رب العالمین کیا ہوتا  
 ہے؟ میرے سوا اور اللہ کون ہو سکتا ہے؟ ورنہ دراصل وہ رب العالمین سے  
 بے خبر نہ تھا۔ اس کی اور اس کے اہل دربار کی جو گفتگو میں اور حضرت موسیٰ کی  
 جو تقریریں قرآن میں آئی ہیں، ان سب سے یہ حقیقت بین طور پر ثابت ہوتی ہے۔  
 مثلاً ایک موقع پر فرعون اپنی قوم کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ موسیٰ خدا کے  
 پیغمبر نہیں ہیں، کہتا ہے :-

فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ

مُقْتَرِبِينَ۔ (الزخرف - ۵۳)

تو کیوں نہ اس کے لیے سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتے

صف بستہ ہو کر اس کے ساتھ کیوں نہ آئے؟

کیا یہ بات ایک ایسا شخص کہہ سکتا تھا جو اللہ اور ملائکہ کے تصور سے خالی <sup>لذہن</sup>  
 ہوتا ہے ایک اور موقع پر فرعون اور حضرت موسیٰ کے درمیان یہ گفتگو ہوتی ہے :-

..... فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰمُوسَىٰ مَسْحُورًا

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَمَا أَنزَلَ هٰؤُلَاءِ اِلَّا رُبُّ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ بِصٰٓئِرٍ وَّ اِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُورًا۔ (بنی اسرائیل ۱۰۲)

..... پس فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو سمجھتا ہوں

کہ تیری عقل خبط ہو گئی ہے۔ موسیٰ نے جواب دیا تو خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں رب زمین و آسمان کے سوا کسی اور کی نازل کی ہوئی نہیں ہیں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اسے فرعون تیری شامت ہی آگئی ہے۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرعونوں کی قلبی حالت اس طرح بیان فرماتا ہے۔  
 فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ۔  
 وَجَعَلُوا بَيْنَهُمْ وَابْنَهُمْ وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا۔  
 جب ہماری نشانیاں ان کے سامنے علانیہ نمایاں ہو گئیں تو انھوں نے کہا کہ یہ صریح جاودہ ہے۔ ان کے دل اندر سے قائل ہو چکے تھے مگر انھوں نے محض شرارت اور تکبر و سرکشی کی بنا پر ماننے سے انکار کیا۔ (النمل - ۱۳-۱۴)

ایک اور مجلس کا نقشہ قرآن یوں کھینچتا ہے :-  
 قَالَ لَهُمُ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَيَّ اللَّهُ كَذِبًا  
 فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ فَنَادَعُوا آمُرًا  
 بَيْنَهُمْ وَآسَرُوا النَّجْوَىٰ قَالُوا إِن هَذَا إِلَّا كَسِحْوَانِ  
 يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِ هَاهَا وَيَذْهَبَا  
 بِطَرِيقِكُمُ الْمُتَلَىٰ - (طہ - ۶۱-۶۳)

موسیٰ نے ان سے کہا تم پر افسوس ہے۔ اللہ پر جھوٹ افرا نہ بانڈھو ورنہ وہ سخت عذاب سے تمہیں تباہ کر دے گا۔ اور افراد جس نے

بھی باندھا ہے وہ نامراد ہو کر ہی رہا ہے۔ یہ سن کر لوگ آپس میں رو کر  
 کہہ کرنے لگے اور خفیہ مشورہ ہوا جس میں کہنے والوں نے کہا کہ یہ دونوں  
 (موسیٰ و ہارون) تو جادوگر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے زور  
 سے تمہیں تمہاری سرزمین سے بے دخل کر دیں اور تمہارے مثالی  
 (ایڈیل) طریق زندگی کو مٹادیں۔

ظاہر ہے کہ اللہ کے عذاب ڈرانے اور افتراء کے انجام سے خبردار  
 کرنے پر ان کے درمیان رد و کد اسی لیے شروع ہو گئی تھی کہ ان لوگوں کے دلوں  
 میں کہیں تھوڑا بہت اثر خدا کی عظمت اور اس کے خوف کا موجود تھا۔ لیکن جب  
 ان کے قوم پرست حکمران طبقہ نے سیاسی انقلاب کا خطرہ پیش کیا، اور کہا  
 کہ موسیٰ اور ہارون کی بات ماننے کا انجام یہ ہوگا کہ مصیبت پھر اسرائیلیت سے  
 مغلوب ہو جائے گی تو ان کے دل پھر سخت ہو گئے اور سب بالائے اتفاق رسولوں  
 کا مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے بعد ہم باسانی یہ تحقیق کر سکتے ہیں کہ  
 حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان اصل جھگڑا کس بات پر تھا، فرعون اور  
 اس کی قوم کی حقیقی گمراہی کس نوعیت کی تھی، اور فرعون کس معنی میں الوہیت و  
 ربوبیت کا داعی تھا۔ اس غرض کے لیے قرآن کی حسب ذیل آیات ترتیب وار  
 ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ فرعون کے درباریوں میں سے جو لوگ حضرت موسیٰ کی دعوت کا استیصال  
 کرنے پر زور دیتے تھے وہ ایک موقع پر فرعون کو خطاب کر کے کہتے ہیں :-

اتَّذَرُ مُوسَىٰ وَ قَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ  
وَاللَّيْهَاتَكَ - (اعراف - ۱۲۷)

کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیں گے کہ وہ ملک میں فساد  
پھیلانے اور آپ کے اللہوں کو چھوڑ دے۔

دوسری طرف انہی درباریوں میں سے جو شخص حضرت موسیٰ پر ایمان لے  
آیا تھا وہ ان لوگوں کو خطاب کر کے کہتا ہے :-

تَذَعُونَنِي لِإِكْفَارِي بِاللَّهِ وَأَشْرِكِي بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ (المؤمن  
تم مجھے اس طرف بلا تے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے ساتھ  
اُن کو شریک کروں جن کے شریک ہونے کے لیے میرے پاس کوئی  
علمی ثبوت نہیں۔

ان دونوں آیتوں کو جب ہم ان معلومات کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں جو  
تاریخ و آثارِ قدیمہ کے ذریعہ سے ہمیں اس زمانہ کے اہل مصر کے متعلق حاصل ہوئی  
ہیں تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ فرعون خود بھی اور اس کی قوم کے لوگ بھی  
ربوبیت کے پہلے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے بعض دیوتاؤں کو خدائی  
میں شریک بٹھراتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اگر فرعون  
فوق لفظی معنوں میں خدا ہونے کا مدعی ہوتا، یعنی اگر اس کا دعویٰ یہی ہوتا  
کہ سلسلہ اسباب پر وہ خود حکمران ہے اور اس کے سوا زمین و آسمان کا اللہ اور رب  
کوئی نہیں ہے، تو وہ دوسرے اللہوں کی پرستش نہ کرتا۔

۱۷ بعض مفسرین نے محض اس مفروضہ پر کہ فرعون خود اللہ العالمین ہونے کا دعویٰ رکھتا  
(باقی حاشیہ بر ص ۸۱)



۲۔ فرعون کے یہ الفاظ جو قرآن میں نقل کیے گئے ہیں کہ :-  
 يَا أَيُّهَا الْمَلَأَمَ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرِي - (انقص - ۳۸)

... لوگو! میں تو اپنے سوا تمہارے کسی الہ کو جانتا نہیں ہوں۔

لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ -  
 اے موسیٰ! اگر میرے سوا تو نے کسی کو الہ بنا یا تو میں تجھے قیدبندوں میں

شامل کر دوں گا۔ (الشعرا - ۲۹)

ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ فرعون اپنے سوا دوسرے تمام الہوں  
 کی نفی کرتا تھا، بلکہ اس کی اصل غرض حضرت موسیٰ کی دعوت کو رو کر ناہٹنا۔  
 چونکہ حضرت موسیٰ ایک ایسے الہ کی طرف بلائے تھے جو صرف نطق الفطری معنی

(بقیہ حاشیہ ص ۸۰) تھا، سورہ اعراف کی مذکورہ متن آیت میں اللہ کی قرأت اختیار کی  
 ہے اور اللہ بمعنی عبادت لیا ہے۔ یعنی ان کی قرأت کے مطابق آیت کا ترجمہ یوں ہوگا  
 کہ ”آپ کو اور آپ کی عبادت کو چھوڑوے“ لیکن ادل تو یہ قرأت شاذ ہے اور صرف  
 قرأت کے خلاف ہے، دوسرے وہ مفروضہ ہی نہ رہے سے بے بنیاد ہے جس پر یہ قرأت  
 اختیار کی گئی ہے۔ تیسرے اللہ کے معنی عبادت کے علاوہ معبودہ یا دیوبی کے بھی ہو  
 سکتے ہیں۔ سورج کے لیے عرب جاہلیت میں اللہ ہی کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ معلوم  
 ہے کہ بالعموم مصریوں کا صنم اکبر سورج تھا۔ سورج کو مصری زبان میں ”رع“ کہتے تھے  
 اور فرعون کا مفہوم ”رع کی اولاد“ یا ”رع کا اولاد“ تھا پس حقیقت فرعون جس چیز کا  
 مدعی تھا وہ صرف یہ تھی کہ میں سورج دیوتا کا جسمانی ظہور ہوں۔

ہی میں مجبور نہیں ہے بلکہ سیاسی تمثیلی معنی میں امر و نہی کا مالک اور اقتدارِ اعلیٰ کا حامل بھی ہے، اس لیے اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہارا ایسا اللہ تو میرے سوا کوئی نہیں ہے، اور حضرت موسیٰ کو دھمکی دی کہ اس معنی میں میرے سوا کسی کو اللہ بناؤ گے تو جیل کی ہوا کھاؤ گے۔

نیز قرآن کی ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، اور تاریخ و آثارِ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ فراغتِ مصر محض حاکمیتِ مطلقہ (Absolute Sovereignty) ہی کے مدعی نہ تھے بلکہ دیوتاؤں سے اپنا رشتہ جوڑ کر ایک طرح کی قدوسیت کا بھی دعویٰ رکھتے تھے تاکہ رعایا کے قلبِ روح پر ان کی گرفت خوب مضبوط ہو جائے۔ اس معاملہ میں تنہا فرعون ہی منفرد نہیں ہیں، دنیا کے اکثر ملکوں میں شاہی خاندانوں نے سیاسی حاکمیت کے علاوہ فوق الفطری الوہیت و ربوبیت میں بھی کم و بیش حصہ بٹانے کی کوشش کی ہے اور رعیت کے لیے لازم کیا ہے کہ وہ ان کے آگے عبودیت کے کچھ نہ کچھ مراسم ادا کرے۔ لیکن دراصل یہ محض ایک ضمنی چیز ہے۔ اصل مقصد سیاسی حاکمیت کا استحکام ہوتا ہے اور اس کے لیے فوق الفطری الوہیت کا دعویٰ محض ایک تدبیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی لیے مصر میں اور دوسرے جاہلیت پرست ملکوں میں بھی ہمیشہ سیاسی زوال کے ساتھ ہی شاہی خاندانوں کی الوہیت بھی ختم ہوتی رہی ہے۔ اور تخت جس جس کے پاس گیا ہے الوہیت بھی اسی کی طرف منتقل ہوتی چلی گئی ہے۔

۳۔ فرعون کا اصلی دعویٰ فوق الفطری خدائی کا نہیں بلکہ سیاسی خدائی کا تھا۔

وہ ربوبیت کے تیسرے چوتھے اور پانچویں معنی کے لحاظ سے کہتا تھا کہ میں ہرزہ میں  
مصر اور اس کے باشندوں کا رب اعلیٰ (Over-Lord) ہوں۔ اس ملک و  
اس کے تمام وسائل و ذرائع کا مالک میں ہوں۔ یہاں کی حاکمیت مطلقہ کا حق مجھ  
ہی کو پہنچتا ہے۔ یہاں کے تمدن و اجتماع کی اساس میری ہی مرکزی شخصیت  
ہے۔ یہاں قانون میرے سوا کسی اور کا نہ چلے گا۔ قرآن کے الفاظ میں اس کے  
دعوئی کی بنیاد یہ تھی :-

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ  
وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِن تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ - (الزخرف ۲۱)

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی کہ اے قوم! کیا میں ملک مصر کا  
مالک نہیں ہوں؟ اور یہ نہریں میرے ماتحت نہیں چل رہی ہیں؟  
کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

یہ وہی بنیاد تھی جس پر فرعون کا دعوائے ربوبیت مبنی تھا۔ حَاجُّوا بَدَا هَيْجَرَ  
فِي سَائِرِ آيَاتِهِ إِنَّ اللَّهَ الْمَلِكُ ) اور اسی بنیاد پر حضرت یوسفؑ کا ہم عصر  
بادشاہ بھی اپنے اہل ملک کا رب بنا ہوا تھا۔

۴۔ حضرت موسیٰؑ کی دعوت جس پر فرعون اور آل فرعون سے ان کا جھگڑا تھا،  
در اصل یہ تھی کہ اللہ رب العالمین کے سوا کسی معنی میں بھی کوئی دوسرا اللہ اور  
رب نہیں ہے۔ وہی تنہا فوق الفطری معنی میں بھی اللہ اور رب ہے، اور  
سیاسی و اجتماعی معنی میں بھی۔ پرستش بھی اسی کی ہو، بندگی و اطاعت بھی  
اسی کی، اور پیروی قانون بھی اسی کی۔ نیز یہ کہ صریح نشانیوں کے ساتھ اس

نے مجھے اپنا نمائندہ مقرر کیا ہے، میرے ذریعہ سے وہ اپنے امر و نہی کے احکام دے گا، لہذا اس کے بندوں کی عنان اقتدار تمہارے ہاتھ میں نہیں، میرے ہاتھ میں ہونی چاہیے۔ اسی بنا پر فرعون اور اس کے اعیان حکومت بار بار کہتے تھے کہ یہ دونوں بھائی ہمیں زمین سے بے دخل کر کے خود قابض ہونا چاہتے ہیں اور ہمارے ملک کے نظام مذہب و تمدن کو مٹا کر اپنا نظام قائم کرنے کے درپے ہیں۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ اِلَىٰ فِرْعَوْنَ  
وَمَلَاِيْهِ فَاَتَّبَعُوْا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ  
بِشَيْءٍ - (ہود - ۹۷)

ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور صریح نشانِ ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداران قوم کی طرف بھیجا تھا، مگر ان لوگوں نے فرعون کے امر کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا امر راستی پر نہ تھا۔

وَلَقَدْ فتنّاٰ فِیْلہُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجاءَ ہُمْ رَسُوْلٌ  
کَرِیْمٌ اَنْ اذُوْا اِلٰی عِبَادِ اللّٰہِ لِتُنٰی لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ  
وَ اَنْ لَا تَعْلَمُوْا عَلٰی اللّٰہِ اِنِّیْ اِنِّیْکُمْ لِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ - (الدخان ۱۹-۱۷)

اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمائش میں ڈالا تھا۔ ایک معزز رسول ان کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ اللہ کے بندوں کو میرے حوالے کرو۔ میں تمہارے لیے امانت دار رسول ہوں۔ اور اللہ کے مقابلہ میں سرکشی نہ کرو، میں تمہارے سامنے صریح نشانِ ماموریت پیش کرتا ہوں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا  
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا، فَعَصَىٰ فِرْعَوْنُ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَا  
أَخْذًا أَوْ بَيِّنًا - (المزمل - ۱۵-۱۶)

(اسے اہل مکہ!) ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہی  
دینے والا ہے اسی طرح جیسے ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون  
نے اس رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اُسے سختی کے ساتھ  
پکڑا۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمَا يَا مُوسَىٰ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ  
شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ - (طہ - ۴۹ - ۵۰)

فرعون نے کہا اے موسیٰ (اگر تم ندیوں تاڑوں کو رب مانتے ہو نہ شاہی خاندان  
کو) تو آخر تمہارا رب کون ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا، ہمارا رب وہی ہے جس نے  
ہر چیز کو اس کی مخصوص ساخت عطا کی پھر اسے اس کے کام کرنے کا طریقہ بتایا۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ، قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ - قَالَ لِمَنْ  
حَوْلَهُ إِلَّا تَسْتَعْجِلُونَ - قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمْ  
الْأَوَّلِينَ - قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ  
لَمَجْنُونٌ - قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا  
إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ - قَالَ لِمَنْ أَتَّخَذَتِ الْهَاطِلَةُ  
لَا جَعَلَكَ مِنَ السَّجُونِينَ - (الشعراء - ۲۳ - ۲۹)

فرعون نے کہا اور یہ ربّ العظیم کیا ہے؟ موسیٰ نے جواب دیا زمین و آسمان اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ فرعون اپنے گرد پیش کے لوگوں سے بولا، سنتے ہو؟ موسیٰ نے کہا تمہارا رب بھی اور تمہارے آباؤ اجداد کا رب بھی۔ فرعون بولا تمہارے یہ رسول صاحب جو تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں، بالکل ہی پاگل ہیں۔ موسیٰ نے کہا مشرق اور مغرب اور ہر اس چیز کا رب جو ان کے درمیان ہے اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اس پر فرعون بول اٹھا کہ اگر میرے سوا تو نے کسی اور کو اللہ بنا یا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔

قَالَ اجْتَنَّا لِنَخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى (لہ - ۵۷)

فرعون نے کہا اے موسیٰ! کیا تو اس لیے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہم کو ہماری زمین سے بے دخل کر دے؟

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي اَقْتُلْ مُوسَى وَلْيَدْعُ رَبَّهُ اِنِّي اَخَافُ اَنْ يُبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ (المومن - ۲۶)

اور فرعون نے کہا چھوڑ مجھے کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے رب کو مدد کے لیے پکار دیکھے۔ مجھے خطرہ ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔

قَالُوا اِنْ هٰذَا اِنْ كَسِحْرٍ يَرِيْدُ اِنْ اَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهَا وَ يَذْهَبَ بِطَرِيقَتِكُمْ

الْمُثَلَّى - (طہ - ۶۳)

انھوں نے کہا کہ یہ دونوں توجا دو گھر ہیں۔ چاہتے ہیں کہ اپنے جہاد کے زور سے تم کو تمھاری زمین سے بے دخل کریں اور تمھارے مثالی طریق زندگی کو مٹادیں۔

ان تمام آیات کو ترتیب وار دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں وہی ایک گمراہی جو ابتدا سے دنیا کی مختلف قوموں میں چلی آ رہی تھی ارضِ نبیل میں بھی ساری ظلمت اسی کی تھی اور وہی ایک دعوت جو ابتدا سے تمام انبیاء و نبیوں سے چلے آ رہے تھے، موسیٰ و ہارون علیہما السلام بھی اسی کی طرف بلاتے تھے۔

## یہود و نصاریٰ :

قوم فرعون کے بعد ہمارے سامنے بنی اسرائیل اور وہ دوسری قومیں آتی ہیں جنھوں نے یہودیت اور عیسائیت اختیار کی۔ ان کے متعلق یہ تو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ اللہ کی مہستی کے منکر ہوں گے یا اس کو اللہ اور رب نہ مانتے ہوں گے۔ اس لیے کہ خود قرآن نے ان کے اہل کتاب ہونے کی تصدیق کی ہے پھر سوال یہ ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کے عقیدے اور طرزِ عمل کی وہ کونسی خاص غلطی ہے جس کی بنا پر قرآن نے ان لوگوں کو گمراہ قرار دیا ہے؟ اس کا مجمل جواب خود قرآن ہی سے ہمیں ملتا ہے :-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا

أَهْوَاءَ قَوْمِهِ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا

عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ - (المائدہ - ۷۷)

کہو! اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور ان قوموں کے فاسد خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی ہیں، جنہوں نے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کیا اور خود بھی راہِ راست سے بھٹک گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی قوموں کی گمراہی بھی اصلاً اسی نوعیت کی ہے جس میں ان سے پہلے کی قومیں ابتدا سے مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ گمراہی ان کے اندر غلو فی الدین کے راستہ سے آئی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن کس طرح کرتا ہے:-

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزِّيُّ بْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ

ابنُ اللَّهِ - (التوبہ - ۳۰)

یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ

(المائدہ - ۷۲) وَقَالَ الْمَسِيحُ يَلْنِي إِسْرَائِيلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ

رَبِّي وَرَبَّكُمْ - (المائدہ - ۷۲)

کفر کیا ان عیسائیوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔



لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ - (المائدہ - ۷۳)

کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے۔ حالانکہ ایک الہ کے سوا کوئی دوسرا الہ ہے ہی نہیں۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسِي ابْنَ مَرْيَمَ آنتِ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْئِ مِنْ دُونِ اللَّهِ، قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ - (المائدہ - ۱۱۶)

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ بنا لو، تو وہ جواب میں عرض کریں گے کہ سبحان اللہ میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا کہ جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ، وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَدْبَابًا، أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ - (آل عمران - ۷۹ - ۸۰)

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے

بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ ربانی (خدا پرست) بنو۔ جس طرح تم خدا کی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کے درس دیا کرتے ہو۔ اور نہ نبی کا یہ کام ہے کہ وہ تم کو یہ حکم دے کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔ کیا وہ تمہیں کفر کی تعلیم دے گا جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

ان آیات کی رو سے اہل کتاب کی پہلی گمراہی یہ تھی کہ جو بزرگ ہستیاں — انبیاء، اولیاء، ملائکہ وغیرہ — دینی حیثیت سے قدر و منزلت کی مستحق تھیں، ان کو اطفال نے ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے مرتبہ میں پہنچا دیا، کار و بارِ خداوندی میں انہیں دخل و شریک ٹھیرایا، ان کی پرستش کی، ان سے دعائیں مانگیں۔ انہیں فوق الفطری ربوبیت والوہیت میں حصہ دار سمجھا، اور یہ گمان کیا کہ وہ بخشش اور مددگاری اور نگہبانی کے اختیارات رکھتی ہیں۔ اس کے بعد ان کی دوسری گمراہی یہ تھی کہ :-

اتَّخَذُوا اٰجْبَادًا هُمْ وَّرٰهَبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ - (التَّوْبَةُ)

انہوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنا لیا۔ یعنی نظامِ دینی میں جن لوگوں کی حیثیت صرف یہ تھی کہ خدا کی شریعت کے احکام بتائیں اور خدا کی مرضی کے مطابق اخلاق کی اصلاح کریں، انہیں رفتہ رفتہ یہ حیثیت دے دی کہ باختیارِ خود جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال ٹھیرادیں اور کتابِ الہی کی سند کے بغیر جو حکم چاہیں دیں، جس چیز سے چاہیں منع کر دیں اور جو سنت چاہیں جاری کریں۔ اس طرح یہ لوگ انہی دو عظیم الشان نبیوں

گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں قوم نوح، قوم ابراہیم، عاد، ثمود، اہل مدین اور  
 دوسری قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ ان کی طرح انھوں نے بھی فوق <sup>لطبعی</sup> ربوبیت  
 میں فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ کا شریک بنایا۔ اور انہی کی طرح انھوں نے  
 تمدنی ویسائی ربوبیت اللہ کے بجائے انسانوں کو دی اور اپنے تمدن، معاشرت،  
 اخلاق اور سیاست کے اصول و احکام اللہ کی سند سے بے نیاز ہو کر انسانوں  
 سے لینے شروع کر دیے حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ :-

أَلَمْ تَدْرِ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا كِتَابًا مِنَّا مِن قَبْلِكَ  
 بِالْحِجْبِ وَالطَّاغُوتِ - (النساء - ۵۱)

تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے اور ان  
 کی حالت یہ ہے کہ حجت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ مَن  
 لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ  
 وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا  
 وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ - (المائدہ - ۶۰)

کہو! میں تمہیں بتاؤں اللہ کے نزدیک فاسقین سے بھی زیادہ بدتر  
 انجام کس کا۔ ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی، جن پر اس کا غضب  
 ٹوٹا، جن میں بہت سے لوگ اس کے حکم سے بندر اور سوز تک بنا  
 گئے اور انھوں نے طاغوت کی بندگی کی، وہ سب بدتر و جبر کے لوگ  
 ہیں اور راہِ راست سے بہت زیادہ ہٹ گئے ہیں۔

”جبت“ کا لفظ تمام ادہام و خرافات کے لیے جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، کہانت، فال گیری، سعد و نحس کے تصورات، غیر فطری تاثیرات، غرض جملہ اقسام کے توہمات شامل ہیں۔ اور ”طاغوت“ سے مراد ہر وہ شخص یا گروہ یا ادارہ ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا علم بلند کیا ہو۔ پس یہود و نصاریٰ جب مذکورہ بالا دو قسم کی گمراہیوں میں پڑ گئے تو پہلی قسم کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے توہمات نے ان کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کر لیا، اور دوسری گمراہی نے ان کو علماء و مشائخ اور زبانا دو صوفیہ کی بندگی سے بڑھا کر ان جباروں اور ظالموں کی بندگی و اطاعت تک پہنچا دیا جو کھلم کھلا خدا سے باغی تھے۔

## مشرکین عرب:

اب دیکھنا چاہیے کہ وہ عرب کے مشرکین جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اور جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، اس باب میں ان کی گمراہی کس نوعیت کی تھی۔ کیا وہ اللہ سے ناواقف تھے یا اس کی ہستی کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھیجے گئے تھے کہ انھیں وجود باری کا معترف بنائیں؟ کیا وہ اللہ کو اللہ اور رب نہیں مانتے تھے اور قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ انھیں حق جل شانہ کی الہیت و ربوبیت کا قائل کرے؟ کیا انھیں اللہ کی عبادت پرستش سے انکار تھا؟ یا وہ اللہ کو دعائیں سننے والا اور حیات

پوری کرنے والا نہیں سمجھتے تھے؟ کیا ان کا خیال یہ تھا کہ لات اور منات اور  
عزّٰسی اور مہبل اور دوسرے معبود ہی اصل میں کائنات کے خالق، مالک،  
رازق اور مدبّر و منتظم ہیں؟ یا وہ اپنے ان معبودوں کو قانون کا منبع اور اخلاق و  
تمدّن کے مسائل میں ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ مانتے تھے؟ ان میں سے ایک  
ایک سوال کا جواب ہم کو قرآن سے نفی کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا  
ہے کہ عرب کے مشرکین نہ صرف یہ کہ اللہ کی ہستی کے قائل تھے، بلکہ اسے تمام کائنات  
کا اور خود اپنے معبودوں تک کا خالق، مالک اور خدا و نذیر اعلیٰ مانتے تھے اس کو رب  
اور الٰہ تسلیم کرتے تھے۔ مشکلات اور مصائب میں آخری اپیل وہ جس سرکار میں کرتے  
تھے وہ اللہ ہی کی سرکار تھی۔ انھیں اللہ کی عبادت و پرستش سے بھی انکار نہ تھا۔  
ان کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے بارے میں نہ تو یہ تھا کہ وہ ان کے  
اور کائنات کے خالق و رازق ہیں اور نہ یہ کہ یہ معبود زندگی کے تمدنی و اخلاقی  
مسائل میں ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں:-

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ - سَيَقُولُونَ  
لِلَّهِ - قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ - قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ  
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ - قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ -  
قُلْ مَنْ مَبْدِئُ مَلَكُوتِكُمْ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ  
عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ، قُلْ فَأَنَّى  
يُؤَدُّونَ بَلْ أَتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (المؤمنون ۹۰-۹۲)

اے نبی ان سے کہو، زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملک ہے؟

بناؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کی ملک ہے۔ کہو پھر بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔ کہو، ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔ کہو پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟ کہو ہر چیز کے شانہ و اختیارات کس کے ہاتھ میں ہیں؟ اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں پناہ دینے کی طاقت کسی میں نہیں بناؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ صفت اللہ ہی کی ہے۔ کہو پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟ حتیٰ یہ ہے کہ ہم نے صداقت ان کے سامنے پیش کر دی ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي  
الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ فَفَرِحُوا بِهَا  
جَاءَ تَهَارٍ يُعْ عاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ  
وَظَنُّوا أَنَّهُمُ احْبِطَ بِهِمْ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ  
الدِّينَ لَئِنْ أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ۔  
فَلَمَّا أَنْجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ  
الْحَقِّ - (رِيس - ۲۲-۲۳)

وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتیٰ کہ جس وقت تم کشتی میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحان و شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو اور پھر بیکار بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ طوفان میں گھر گئے اس وقت سب

اللہ ہی کو پکارتے ہیں اور اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کر کے  
 دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے اس بلا سے ہم کو بچا لیا تو ہم تیرے  
 شکر گزار بندے بنیں گے، مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی  
 لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔

وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ إِلَّا إِلَٰهًا  
 فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا۔

جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اس ایک رب کے سوا  
 اور جن جن کو تم پکارتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ  
 تمہیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے پھر جلتے ہو۔ سچ یہ  
 ہے کہ انسان بڑا ناشکر ہے۔ (نبی اسرائیل - ۶۷)

اپنے معبودوں کے متعلق ان کے جو خیالات تھے وہ خود انہی کے الفاظ

میں قرآن اس طرح نقل کرتا ہے :-

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا  
 لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ - (الزمر - ۳)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے ولی اور کارساز ٹھہرا رکھے ہیں  
 وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ  
 سے قریب کر دیں۔

وَيَقُولُونَ هُوَ أَوْلَاؤُا شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ - (یونس - ۱۸)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔

پھر وہ اپنے معبودوں کے بارے میں اسن قسم کا بھی کوئی گمان نہ رکھتے تھے کہ وہ مسائلِ زندگی میں ہدایت بخشنے والے ہیں۔ چنانچہ سورہ یونس میں اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ :-

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاءِ كُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ -

ان سے پوچھو، تمہارے بھیرائے ہوئے ان شریکوں میں سے کوئی حق

کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی ہے۔ (یونس - ۳۴)

لیکن یہ سوال سن کر ان پر سکوت چھا جاتا ہے ان میں سے کوئی یہ جواب نہیں دیتا کہ ہاں لات یا منات یا عزہی یا دوسرے معبود ہمیں فکر و عمل کی عینج رہیں بتاتے ہیں اور وہ دنیا کی زندگی میں عدل اور سلامتی اور امن کے اصول ہمیں سکھاتے ہیں اور ان کے سرچشمہ علم سے ہم کو کائنات کے بنیادی حقائق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ تب اللہ اپنے نبی سے فرماتا ہے :-

قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ  
أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يَهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ

كَيْفَ تَحْكُمُونَ - (یونس - ۳۵)

کہو، مگر اللہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، پھر بناؤ کون اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے؟ وہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاتا الا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

ان تصریحات کے بعد اب یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ ربوبیت کے



باب میں ان کی وہ اصل گمراہی کیا تھی جس کی اصلاح کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور کتاب نازل کی؟ اس سوال کی تحقیق کے لیے جب ہم قرآن میں نظر کرتے ہیں تو ان کے عقاید و اعمال میں بھی ہم کو انہی دو بنیادی گمراہیوں کا سراغ ملتا ہے جو قدیم سے تمام گمراہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں یعنی :

ایک طرف فوق الطبیعی ربوبیت والہیت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسرے الہوں اور ارباب کو شریک ٹھہراتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سلسلہ اسباب پر جو حکومت کارفرما ہے اس کے اختیارات و اقتدارت میں کسی نہ کسی طور پر ملائکہ اور بزرگ انسان اور اجرام فلکی وغیرہ بھی دخل رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر دعا اور استعانت اور مراسم عبودیت میں وہ صرف اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ ان بناوٹی خداؤں کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔

دوسری طرف تمدنی و سیاسی ربوبیت کے باب میں ان کا ذہن اس تصور سے بالکل خالی تھا کہ اللہ اس معنی میں بھی رب ہے۔ اس معنی میں وہ اپنے مذہبی پیشواؤں، اپنے سرداروں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو رب بنائے ہوئے تھے اور انہی سے اپنی زندگی کے قوانین لیتے تھے۔

چنانچہ پہلی گمراہی کے متعلق قرآن یہ شہادت دیتا ہے :-

دَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ عَلَى حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ  
خَيْرٌ وَأَطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَى  
وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ، ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ  
الْمُبِينُ - يَدْعُونَ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُ وَلَا يَنْفَعُهُ

ذَالِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ، يَدْعُونَ لِمَنْ خَصَّهُمْ آفْتَرَبُ  
 مِنْ لَفْعِهِ لَيْسَ الْمَوْلَىٰ وَ لَيْسَ الْعَشِيرُ۔ (الحج - ۱۱ - ۱۳)  
 انسانوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پرستی کی سرحد پر کھڑا ہو  
 کہ اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ فائدہ بڑا تو مطمئن ہو گیا۔ اور جو کوئی  
 تکلیف پہنچ گئی تو اٹا پھر گیا۔ یہ شخص دنیا اور آخرت دونوں میں  
 خسارہ اٹھانے والا ہے۔ وہ اللہ سے پھر کر ان کو پکارنے لگتا  
 ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ فائدہ  
 پہنچانے کی۔ یہی بڑی گمراہی ہے۔ وہ مدد کے لیے ان کو پکارتا  
 ہے جنہیں پکارنے کا نقصان بہ نسبت نفع کے زیادہ قریب  
 ہے۔ کیسا بُرا مولیٰ ہے اور کیسا بُرا ساتھی۔

وَيَجِدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا  
 يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاءُنَا عِنْدَ  
 اللَّهِ۔ قُلْ أَنْتَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ  
 وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

(یونس - ۱۸)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے  
 ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی  
 ہیں، کہو اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم! کیا تم اللہ کو اس  
 بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے؟

نہ زمین میں؛ اللہ پاک ہے اس شکر کے جو یہ کرتے ہیں۔

قُلْ أَنتُمْ لَكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ  
وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا - (رحم السجدہ - ۹)

اے نبی! ان سے کہو، کیا واقعی تم اس خدا سے جس نے دو دن میں  
زمین کو پیدا کر دیا کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل  
بناتے ہو؟

قُلْ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَ  
لَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - (المائدہ - ۲۶)

کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے  
نقصان کا کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا؟ حالانکہ سننے اور جاننے  
والا تو اللہ ہی ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا

اے یعنی تم اس خیالِ غم میں مبتلا ہو کہ تمہارے ان عبودوں کا میرے ہاں ایسا زور چلتا ہے کہ  
جو سفارش یہ مجھ سے کر دیں وہ بس قبول ہو کر رہتی ہے، اور اسی لیے تم ان کے استناد  
پر پیشیاں رکھتے اور نذریں چڑھاتے ہو۔ مگر میں تو آسمانوں اور زمین میں کسی ایسی ہستی کو  
نہیں جانتا جو میرے برابر میں اتنی زور ہو یا مجھے ایسی محبوب ہو کہ میں اس کی سفارش  
قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ پھر کیا تم مجھے ان سفارشیوں کی خبر دے رہے ہو جنہیں  
میں خود نہیں جانتا؟ ظاہر ہے کسی چیز کا اللہ کے علم میں نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس  
چیز کا میرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَ  
 جَعَلَ اللَّهُ آتِدَادًا لِلْبَاطِلِ عَن سَبِيلِهِ - (الزمر - ۸)

اور جب انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو یکسو ہو کر اپنے رب ہی  
 کو پکارتا ہے، مگر جب وہ اپنی نعمت سے اس کو سرفراز کرتا ہے  
 تو یہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس میں مدد کے لیے اس سے  
 پہلے اللہ کو پکار رہا تھا اور اللہ کے ہمسر بھیرانے لگتا ہے۔ تاکہ یہ حرکت  
 اسے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

وَمَا يَكُم مِّن نِّعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ تُمْرًا ذَا مَسْئَمٍ الضُّرُّ  
 فَإِلَيْهِ تَجْرُدُونَ ثُمَّ إِذَا كُفِّرَتْ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ  
 مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ  
 فَتَبَتُّوا فَسُوءَ تَعْلَمُونَ وَبِعَلَّامٍ لِّمَعْلُومٍ  
 نَّصِيبًا وَمَا رَزَقْنَاهُمْ تَأْتِيهِمْ لَتَأْتِيَ عَمَّا كُنْتُمْ تُفْتَرُونَ -

تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے۔ پھر  
 جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی کی طرف فریادے کر  
 تم جاتے ہو، مگر جب وہ اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے  
 تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو اس مشکل کشائی میں، دوسروں کو

۱۰ اللہ کے ہمسر بھیرانے لگتا ہے۔ یعنی یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فلاں بزرگ کی برکت  
 سے ٹکی اور یہ نعمت فلاں حضرت کی عنایت سے نصیب ہوئی۔

شریک ٹھیرانے لگتے ہیں تاکہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ اچھا مزے کر لو۔ عنقریب تمہیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ یہ لوگ جن کو نہیں جانتے ان کے لیے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے حصے مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو افراتفر پر وازیاں تم کرتے ہو ان کی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔ (النحل - ۵۳ - ۵۶)

رہی دوسری گمراہی تو اس کے متعلق قرآن کی شہادت یہ ہے:-

وَكَذَلِكَ زَيْنٌ يَكْتُمُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادَهُمْ  
شُرَكَاءَهُمْ لِيَرُدُّوهُمْ وَوَلِيَّيَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ (انعام، ۱۳۸)

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تاکہ انہیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان کے دین کو ان کے لیے مشتبہ بنا دیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں ”شریکوں“ سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں بلکہ وہ پیشوا اور رہنما ہیں جنہوں نے قتل اولاد کو اہل عرب کی نگاہ میں ایک بھلائی اور خوبی کا کام بنایا اور حضرت ابراہیمؑ و اسمعیلؑ کے دین میں اس رسم قبیح کی آمیزش کر دی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خدا کے ”شریک“ اس معنی میں قرار نہیں دیے گئے تھے

یعنی جن کے متعلق انہیں ہرگز کسی ذریعہ علم سے یہ تحقیق نہیں ہو سکتی کہ مصیبت کے ٹالنے والے اور مشکل کو آسان کرنے والے وہ تھے، ان کے لیے شکرانے کے طور پر چڑھاوے اور نذریں اور نیازیں نکالتے ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے دیے ہوئے رزق سے نکالتے ہیں۔

کہ اہل عرب ان کو سلسلہ اسباب پر حکمران سمجھتے تھے یا ان کی پرستش کرتے اور ان سے دعائیں مانگتے تھے، بلکہ ان کو ربوبیت والہیت میں شریک اس لحاظ سے بھیرایا گیا تھا کہ اہل عرب ان کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ تمدنی و معاشرتی مسا اور اخلاقی و مذہبی امور میں وہ جیسے چاہیں قوانین مقرر کر دیں۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن

بِهِ اللّٰهُ - (الشوریٰ - ۲۱)

کیا یہ ایسے شریک بنائے بیٹھے ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی قسم سے وہ قانون بنا دیا جس کا اللہ نے کوئی اذن نہیں دیا ہے۔

لفظ ”دین“ کی تشریح آگے چل کر بیان ہوگی اور وہیں اس آیت کے مفہوم کی وسعت بھی پوری طرح واضح ہو سکے گی، لیکن یہاں کم از کم یہ بات تو صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر ان کے پیشواؤں اور سرداروں کا ایسے ضابطے اور قاعدے مقرر کرنا جو ”دین“ کی نوعیت رکھتے ہوں اور اہل عرب کا ان ضابطوں اور قاعدوں کو واجب التقلید مان لینا، یہی ربوبیت والہیت میں ان کا خدا کے ساتھ شریک بننا اور یہی اہل عرب کا ان کی شرکت کو تسلیم کر لینا تھا۔

## قرآن کی دعوت:

گمراہ قوموں کے تخیلات کی یہ تحقیق جو پچھلے صفحات میں کی گئی ہے۔ اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانہ نزول قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے

کی حیثیت سے کیا ہے، ان میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گمراہی اور مشترک گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے ربوبیت کے ان پانچ مفہومات کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ رب کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگہبانی کا کفیل ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگرچہ ربِ اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے، مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں کو، غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیاء اور اولیاء اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھہراتے تھے۔

اور رب کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، ہدایت و رہنمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، ان کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کے بجائے صرف انسانوں ہی کو رب مانتے تھے یا نظریے کی حد تک اللہ کو رب مانتے کے بعد عملاً انسانوں کی اخلاقی و تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے ہر اطاعت ختم کیے دیتے تھے۔

اسی گمراہی کو دور کرنے کے لیے ابتدا سے انبیاء علیہم السلام آئے ہیں اور اسی کے لیے آخر کار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ ان سب کی دعوت یہ تھی کہ ان تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہ

ہے۔ ربوبیت ناقابل تقسیم ہے۔ اس کا کوئی جز کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا۔ جس پر ایک خدا فرمانروائی کر رہا ہے، جس کے سارے اختیارات و اقتدارات کا مالک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کوئی شریک ہے، اور نہ اس کی فرمانروائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمہارا فوق العظمیٰ رب بھی ہے اور اخلاقی و تمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمہارا مسبود ہے۔ وہی تمہارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے۔ وہی تمہاری رعاؤں کا ملجاء و ماویٰ ہے۔ وہی تمہارے توکل و اعتماد کا سہارا ہے۔ وہی تمہاری ضرورتوں کا کفیل ہے۔ اور اسی طرح وہی پادشاہ ہے۔ وہی مالک الملک ہے۔ وہی شارع و قانون ساز اور امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں جن کو جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ ٹھیرا لیا ہے، حقیقت میں خدائی کا لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں۔ انہیں نہ ایک دوسرے سے منفک کیا جاسکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھیرانا درست ہے۔

اس دعوت کو قرآن جس طریقہ سے پیش کرتا ہے وہ خود اسی کی زبان سے

منجیے :-

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ  
 آيَاتٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ



يَطْلُبُهُ حَيْثُ نَاءَ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْحَرَاتٍ  
بِأَمْرِ آيَاتِهِ الْخَلْقُ وَالْآخِرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ -

حقیقت میں تمہارا رب تو اللہ ہے جس نے آسمان و زمین کو چھ دن  
میں پیدا کیا اور پھر اپنے تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہو گیا، جو دن کو  
رات کا لباس اڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ  
وڑھاتا ہے، سورج اور چاند اور تارے سب کے سب جس کے تابع  
فرمان ہیں۔ سنو! خلق اسی کی ہے اور فرمانروائی بھی اسی کی۔ بڑا بابرکت  
ہے مکاناتِ کارب۔

قُلْ مَنْ يَدْرُكُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ  
السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ  
يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأُمُورَ سَيَقُولُونَ  
اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ - فَذَايِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ

نَبَاذًا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصَوِّفُونَ - (یونس، ۳۱-۳۲)  
ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کانوں کی  
شنوائی اور آنکھوں کی بینائی کس کے قبضہ و اختیار میں ہے؟ کون  
ہے جو بے جان کو جاندار میں سے اور جاندار کو بے جان میں سے نکالتا  
ہے؟ اور کون اس کا رگاہِ عالم کا انتظام چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں  
گئے اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ جب یہ سارے کام اسی کے  
ہیں تو تمہارا حقیقی رب اللہ ہی ہے۔ حقیقت کے بعد گمراہی کے سوا

اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر کہاں سے بھٹیں یہ ٹھوکر لگتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ  
وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ  
بِأَجَلٍ مُّسَمًّى . . . . . ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ  
الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُصَوِّرُونَ - (الزمر - ۵ - ۶)

اس نے زمین و آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے۔ رات کو دن پر اور دن کو رات پر وہی لپیٹتا ہے۔ چاند اور سورج کو اسی نے ایسے ضابطے کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے جا رہا ہے۔

. . . . . یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بادشاہی اسی کی ہے۔ اس کے سوا

تمہارا کوئی معبود نہیں۔ آخر یہ تم کہاں سے ٹھوکر کھا کر پھیرے جاتے ہو؟

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْعَثًا

. . . . . ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

هُوَ، فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ . . . . . اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ

قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمُ

مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ - (المومن ۴۱-۴۵)

اللہ جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں تم سکون حاصل کرو۔

اور دن کو روشن کیا . . . . . وہی تمہارا اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز

کا خالق، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا کر  
 تم بھٹک جاتے ہو؟ . . . . . اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو  
 جائے فرار بنایا، آسمان کی چھت تم پر چھائی، تمہاری صورتیں بنائیں  
 اور خوب ہی صورتیں بنائیں، اور تمہاری غذا کے لیے پاکیزہ چیزیں  
 ہیبا کیں، وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ بڑا بابرکت ہے۔ وہ کائنات  
 کا رب۔ وہی زندہ ہے۔ کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں۔ اسی کو  
 تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ يُّدْرِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ  
 وَيُدْرِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي  
 لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمُ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ  
 تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ إِنْ تَدْعُوهُمْ  
 لَا يَسْمَعُوا دَعْوَكُمْ وَكُوَسْوِعُوا مَا سْتَجَابُوا لَكُمْ دَوْمًا  
 الْقَبِيحَةِ يَكْفُرُونَ بَشِيرٌ كَكُمْ - (فاطر - ۱۱۰ - ۱۱۴)

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا . . . . . وہ رات کو دن میں پڑ  
 دیتا ہے اور دن کو رات میں، اس نے چاند اور سورج کو ایسے  
 ضابطہ کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک چلے  
 جا رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ پادشاہی اسی کی ہے۔ اس  
 کے سوا جن دوسری ہستیوں کو تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں  
 ایک ذرہ کا اختیار بھی نہیں ہے۔ تم پکارو تو وہ تمہاری پکاریں

سُن نہیں سکتے، اور سُن بھی لیں تو تمہاری درخواست کا جواب دینا ان کے بس میں نہیں۔ تم جو انھیں شریکِ خدا بناتے ہو اس کی تردید وہ خود قیامت کے دن کر دیں گے۔

دَلَّةٌ مِّنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَهٗ قَانِتُونَ . . . . .  
 ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ  
 أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِيهِمْ رَزَقْتُمْ فَمَا تَنْفِرُونَ فِيهِ سَوَاءٌ  
 تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ لَفَصْلٌ لِّلْآيَاتِ  
 لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ، بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَ هُمْ بَغِيٍّ  
 عَلَيْهِ . . . . . فَأَقْرَدَ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، فطَرَقَ اللَّهُ  
 الْكُفْرَ فَطَرَا النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ - ذَاكَ  
 الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - (الروم، ۲۶-۳۰)  
 آسمانوں کے رہنے والے ہوں یا زمین کے، سب اس کے غلام  
 اور اس کے تابع فرمان ہیں . . . . . اللہ خود تمہاری اپنی ذات سے  
 ایک مثال تمہارے سامنے بیان کرتا ہے۔ کیا تمہارے غلاموں میں  
 سے کوئی ان چیزوں کی ملکیت میں تمہارا شریک ہوتا ہے جو ہم نے  
 تمہیں بخشی ہیں؟ کیا ان چیزوں کے اختیارات و تصرفات میں تم او  
 تمہارے غلام مساوی ہوتے ہیں؟ کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے  
 ہو جس طرح اپنے بڑا بڑوں سے ڈرتے ہو؟ جو لوگ عقل سے  
 کام لینے والے ہیں ان کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی

دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں مگر ظالم لوگ علم کے بغیر اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ . . . . لہذا تم بالکل بکیسو ہو کر حقیقی دین کے راستہ پر اپنے آپ کو ثابت قدم کرو اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ۔ جس پر اس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلانا جائے۔ یہی ٹھیک سیدھا طریقہ ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (الزمر - ۶۷)

ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دکھیں گے کہ زمین پوری کی پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے ہیں۔ اس کی ذات منزہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَ لَهُ الْكِبْرِيَاءُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ - (جاثیہ، ۳۷)

پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین و آسمان اور تمام کائنات کا رب ہے۔ کبریائی اسی کی ہے۔ آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی۔ اور وہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔

رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ تَوَاضِعًا  
لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا - (مریم - ۶۵)

وہ زمین اور آسمانوں کا مالک اور ان ساری چیزوں کا مالک ہے جو  
زمین و آسمان میں ہیں۔ لہذا تو اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ثابت  
قدم رہ۔ کیا اس جیسا کوئی اور تیرے علم میں ہے؟

وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ  
كُلُّهُ فَاَعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ - (سجود - ۱۲۳)

زمین اور آسمانوں کی ساری پوشیدہ حقیقتیں اللہ کے علم میں ہیں اور سارے معاملات  
اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔ لہذا تو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ کر۔  
رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ  
ذِكْرًا - (المزمل - ۱۹)

مشرق اور مغرب سب کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔  
لہذا تو اسی کو اپنا مختار کار بنا لے۔

إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ  
وَتَقَطُّوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلُّ إِلَهِنَا رَجُوعٌ - (انبیاء، ۹۲، ۹۳)

حقیقت میں تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے۔ اور میں تمہارا  
رب ہوں۔ لہذا تم میری ہی بندگی کرو۔ لوگوں نے اس کا رد و بوجہ  
اور اس معاملہ بندگی کو آپس میں خود ہی تقسیم کر لیا ہے مگر ان سب کو  
بہر حال ہماری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے۔

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ دُونِ مَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ

أُولَئِكَ - (اعراف - ۳)

پیروی کرو اس کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور اسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کر۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ

بَيْنَكُمْ إِلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا

يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَسْرَابًا مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ - (آل عمران - ۶۴)

کہو، اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہماری اور تمہارے

درمیان یکساں ہے یہ کہ ہم نہ تو اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں، نہ اس

کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیں اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی

دوسرے انسان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے۔

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ إِلَهِ النَّاسِ - (الناس ۱)

کہو، میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اس کی جو انسانوں کا رب انسانوں کا بادشاہ

اور انسانوں کا معبود ہے۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ

بِعِبَادَتِي مَا يَبْتَغِي أَحَدًا - (کہف - ۱۱۰)

پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک کام

کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کی بندگی شریک نہ کرے۔

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن ربوبیت

کو بالکل حاکمیت اور سلطانی (Sovereignty) کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور ”رب“ کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطان مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمام جہان کا پڑوسر و گار، مرقی اور حاجت روا

ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا کفیل، خبرگیران، مختار اور محمد علیہ ہے۔

اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی

زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے۔ اور اس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش

کا مستحق ہے۔

اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرمانروا ہے۔

اہل عرب اور دنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور

اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو اطفال نے پانچ مختلف انواع

ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم

کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں لیکن قرآن اپنے

طاقن و استدلال سے ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس

بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ جس کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت

کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو۔ اس نظام کی مرکزیت خود



گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اسی ایک خدا کے لیے مختص ہے جو اس نظام کو وجود میں لایا۔ لہذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جزو کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے، وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے، اور امر واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔



# عبادت

## لغوی تحقیق:

عربی زبان میں عبودۃ، عبودیت اور عبدیت کے اصل معنی خضوع اور تذلّل کے ہیں۔ یعنی تابع ہو جانا، رام ہو جانا، کسی کے سامنے اس طرح سپردِ ڈال دینا کہ اس کے مقابلہ میں کوئی مزاحمت یا انحراف و سرتابی نہ ہو، اور وہ اپنے منشا کے مطابق جس طرح چاہے خدمت لے۔ اسی اعتبار سے اہل عرب اُس لفظ کو بعبید مُعبّد کہتے ہیں جو سواری کے لیے پوری طرح رام ہو چکا ہو، اور اس لفظ کو طریقِ مُعبّد جو کثرت سے پامال ہو کر ہموار ہو گیا ہو۔ پھر اسی اصل سے اس مادہ میں غلامی، اطاعت، پوجا، ملازمت اور قید یا رکاوٹ کے مفہومات پیدا ہوئے ہیں۔ چنانچہ عربی لغت کی سب سے بڑی کتاب "لسان العرب" میں اس کی جو تشریح کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ العبد، المملوك، خلاف الحد۔ عبودہ ہے جو کسی کی ملک ہو اور یہ لفظ حر (آزاد) کی ضد ہے۔ نعبّد الرجل "آدمی کو غلام بنا لیا اس کے

ساتھ غلام جیسا معاملہ کیا۔ یہی معنی عبداً، آعبدا اور اعبداء کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے: ثلثة انا خصمهم، جل اعبد محمداً، (رو فی دایة اعبد محمداً) ”تین آدمی ہیں جن کے خلاف قیامت کے دن میں مستغیث بنوں گا۔ من جملہ ان کے ایک وہ شخص ہے جو کسی آزاد کو غلام بنانے یا غلام کو آزاد کرنے کے بعد پھر اس سے غلام کا سا معاملہ کرے۔“ حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا تھا: ذٰلِكَ نَعْبُدُكَ نَعْبُدُهَا عَلٰی اَنْ عَبَدْتَّ بَنِيْ اِسْرٰئِيْلَ اور تیرا وہ احسان جس کا طعنہ تو مجھے دے رہا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا۔“

۴۔ العبادۃ الطاعة مع الخضوع ”عبادت اس اطاعت کو کہتے ہیں جو پوری فرماں برداری کے ساتھ ہو۔“ عبد الطاغوت ای اطاعہ، طاغوت کی عبادت کی، یعنی اس کا فرماں بردار ہو گیا۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ، ای نطيع الطاعة التي يخضع معها ہم تیری عبادت کرتے ہیں یعنی ہم تیری اطاعت پوری فرماں برداری کے ساتھ کرتے ہیں۔“ اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ اِي اطيعوا ربكم ”اپنے رب کی عبادت کرو، یعنی اس کی اطاعت کرو۔“ قَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ اِي دائنون دكل من دان لملك فهو عابده وقال ابن الانباري فلان عابده وهو الخاضع لربه المستسلم المنقاد لامرہ۔ یعنی فرعون نے جو یہ کہا تھا کہ موسیٰ اور ہارون کی قوم ہماری عابد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے تابع فرمان ہے۔ جو شخص کسی بادشاہ کا مطیع ہے وہ اس کا عابد ہے۔ او۔

ابن الانباری کہتا ہے فلان عابد کے معنی ہیں ”وہ اپنے مالک کا فرمانبردار اور اس کے حکم کا مطیع ہے۔“

۳۔ عبداً عبادۃ و معبداً او معبداً تالّٰہ لہ، ”اس کی عبادت کی یعنی اس کی پوجا کی“ التّعبد التّسک، ”تعبّد سے مراد ہے کسی کا پرستار اور پیجاری بن جانا“ شاعر کہتا ہے اری المال عند الباخلین معبداً۔  
”میں دیکھتا ہوں کہ بخیلوں کے ہاں روپیہ بچتا ہے“

۴۔ عبداً و عبداً لزمۃ فلو یفارقہ؟ عبداً اور عبداً کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ وابستہ ہو گیا اور جدا نہ ہوا، اس کا دامن تھا لیا اور چھوڑا نہیں۔“

۵۔ ما عبدک عنی ای ما حبسک۔ جب کوئی شخص کسی کے پاس آنے سے رک جائے، تو وہ یوں کہے گا کہ ما عبدک عنی، یعنی کس چیز نے تجھے میرے پاس آنے سے روک دیا۔“

اس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ماوہ عبداً کا اساسی مفہوم کسی کی بالادستی و برتری تسلیم کر کے اس کے مقابلہ میں اپنی آزادی و خود مختاری سے دست بردار ہو جانا، سرتابی و مزاحمت چھوڑ دینا اور اس کے لیے ام ہو جانا ہے یہی حقیقت بندگی و غلامی کی ہے۔ لہذا اس لفظ سے اولین تصور جو ایک عرب کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے وہ بندگی و غلامی ہی کا تصور ہے۔ پھر چونکہ غلام کا اہلی کام اپنے آقا کی اطاعت و فرمانبرداری ہے، اس لیے لازماً اس کے ساتھ ہی اطاعت کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ اور جب کہ ایک غلام اپنے آقا کی بندگی و اطاعت میں محض

اپنے آپ کو سپرد ہی نہ کر چکا ہو بلکہ اعتقاداً اس کی بزرگی کا قائل اور اس کی بزرگی کا معترف بھی ہو، اور اس کی ہر باتوں پر شکر و احسان مندی کے جذبہ سے بھی سرشار ہو، تو وہ اس کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ کرتا ہے، مختلف طریقوں سے اعترافِ نعمت کا اظہار کرتا ہے اور طرح طرح سے مراسم بندگی بجالاتا ہے۔ اسی کا نام پرستش ہے اور یہ تصورِ عبدیت کے مفہوم میں صرف اس وقت شامل ہوتا ہے جبکہ غلام کا محض سر ہی آقا کے سامنے جھکا ہوا نہ ہو بلکہ اس کا دل بھی جھکا ہوا ہو۔ رہے باقی دو تصورات تو وہ دراصل عبدیت کے ضمنی تصورات ہیں، اصل اور بنیادی نہیں ہیں۔

## لفظِ عبادت کا استعمال قرآن میں :

اس لغوی تحقیق کے بعد جب ہم قرآن کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کتابِ پاک میں یہ لفظ تمام تر پہلے تین معنوں میں استعمال ہوا ہے کہیں معنی اول و دوم ایک ساتھ مراد ہیں، کہیں معنی دوم اور کہیں صرف معنی سوم مراد لیے گئے ہیں، اور کہیں تینوں معنی بیک وقت مفسود ہیں۔

## عبادت بمعنی غلامی و اطاعت :

پہلے اور دوسرے معنی کی مثالیں حسبِ ذیل ہیں :-

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ -  
إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ مَلَأٰ بِهٖ فَاسْتَكْبَرُوۡا وَ كَانُوۡا قَوْمًا عٰلِيّٰنَ،

فَقَالُوا أَتُؤْمِنُ مِنْ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ۔ (مؤمنون ۳۴-۳۵)  
 پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور صریح دلیل  
 ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا۔ مگر  
 وہ تکبر سے پیش آئے، کیونکہ وہ بااقتدار لوگ تھے۔ انہوں نے کہا کیا ہم  
 اپنے ہی جیسے دو آدمیوں کا کہا مان لیں اور آدمی بھی وہ جن کی قوم ہماری  
 عابد ہے۔

وَتِلْكَ لَعْنَةُ رَبِّهَا عَلَىٰ أَن عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ (الشعرا- ۲۲)  
 فرعون نے جب موسیٰ کو طعنہ دیا کہ ہم نے تجھے اپنے ماں بچپن سے پالا  
 ہے تو موسیٰ نے کہا، اور تیرا وہ احسان جس کا تو مجھے طعنہ دے رہا ہے یہی  
 تو ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا عابد بنا لیا۔

دونوں آئیوں میں عبادت سے مراد غلامی اور اطاعت و فرمانبرداری ہے۔  
 فرعون نے کہا موسیٰ اور ہارون کی قوم ہماری عابد ہے، یعنی ہماری غلام اور ہمارے  
 فرمان کی تابع ہے۔ اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ تو نے بنی اسرائیل کو اپنا عابد بنا لیا  
 ہے، یعنی ان کو غلام بنا لیا ہے اور ان سے من مانی خدمت لیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا  
 لِلَّهِ إِنَّ كُنتُمْ لَأِيَّاهُ تَعْبُدُونَ۔ (البقرہ- ۱۷۲)

اے ایمان لانے والو! اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو تو ہم نے جو پاک  
 چیزیں تمہیں بخشی ہیں انہیں کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔

اس آیت کا موقع و محل یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اپنے مذہبی

پیشواؤں کے احکام اور اپنے آباؤ اجداد کے ادا نام کی پیروی میں کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق طرح طرح کی قیود کی پابندی کرتے تھے۔ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ”اگر تم ہماری عبادت کرتے ہو۔ تو ان ساری پابندیوں کو ختم کرو اور جو کچھ ہم نے حلال کیا ہے اسے حلال سمجھ کر بے تکلف کھاؤ پیو“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے پندتوں اور بزرگوں کے نہیں بلکہ ہمارے بندے ہو، اور اگر تم نے واقعی ان کی اطاعت و فرمانبرداری چھوڑ کر ہماری اطاعت و فرماں برداری قبول کی ہے تو اب تمہیں حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز کے معاملہ میں ان کے بنائے ہوئے ضابطوں کے بجائے ہمارے ضابطہ کی پیروی کرنی ہوگی۔ لہذا یہاں بھی عبادت کا لفظ غلامی اور اطاعت ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَيْءٍ مِّنْ ذَا لِكُمْ مَثُوبَةٌ عِنْدَ اللَّهِ مَنْ  
لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْفِرْدَاةَ وَالْحَنَازِيذَ  
وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ - (المائدہ - ۴۰)

کہو میں بتاؤں تمہیں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ بُرا انجام کن لوگوں کا ہے؟ وہ جن پر اللہ کی پھٹکار ہوئی اور اس کا غضب ٹوٹا، جن میں سے بہت سے لوگ بندر اور سورت تک بنا دیے گئے، جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا  
الطَّاغُوتَ - (النحل - ۳۶)



ہم نے ہر قوم میں ایک پیغمبر پہ تعلیم دینے کے لیے بھیجا کہ اللہ کی عبادت  
کرو اور طاغوت کی عبادت سے باز رہو۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَى  
اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى - (الزمر - ۱۷)

اور جو شخبری سے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے طاغوت کی عبادت  
کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کیا۔

تینوں آیتوں میں طاغوت کی عبادت سے مراد طاغوت کی غلامی اور اطاعت  
ہے، جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت  
سے مراد ہر وہ ریاست و اقتدار اور ہر وہ رہنمائی و پیشوائی ہے جو خدا سے باغی ہو کر  
خدا کی زمین میں اپنا حکم چلائے اور اس کے بندوں کو زور و جبر سے یا تخریب و  
اطماع سے یا گمراہ کن تعلیمات سے اپنا تابع امر بنائے۔ ایسے ہر اقتدار اور ایسی  
ہر پیشوائی کے آگے سر تسلیم خم کرنا اور اس کی بندگی اختیار کر کے اس کا حکم بجالانا  
طاغوت کی عبادت ہے۔

## عبادت بمعنی اطاعت:

اب ان آیات کو بھیجے جن میں عبادت کا لفظ صرف معنی دوم میں استعمال

ہوا ہے۔

الَّذِي اٰتٰىكُمْ دِيْنًَا يَّحْيٰى اَمْوَالَكُمْ اَنْ لَا تَعْبُدُوْا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ  
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ - ریس - ۶۰

اسے بنی آدم! کیا میں نے تم کو تائید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا۔  
کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ظاہر ہے کہ شیطان کی پرستش تو دنیا میں کوئی بھی نہیں کرتا۔ بلکہ ہر طرف سے اس پر لعنت اور پھٹکار ہی پڑتی ہے۔ لہذا بنی آدم پر جو فرد جرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت کے روز لگائی جائے گی، وہ اس بات کی نہ ہوگی کہ انھوں نے شیطان کو پوجا، بلکہ اس بات کی ہوگی کہ وہ شیطان کے کہنے پر چلے اور اس کے احکام کی اطاعت کی اور جس جس راستہ کی طرف وہ اشارہ کرتا گیا اس پر ڈر سے چلے گئے۔

اُحْسِدُوا لِلَّذِينَ ظَلَمُوا دَاوُدَ اٰجُحْمًا وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ مِنْ  
دُوْنِ اللّٰهِ فَاَهْدُدْهُمْ اِلَى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ . . . . .  
وَاْتَبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُوْنَ - قَالُوْا اِنَّا كُنْمُكُمْ  
تَاْتُوْنَا عَنِ الْيَمِيْنِ قَالُوْا بَلْ لَمۡ نَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ وَاٰ  
كَانَ لَنَا عَلَيْكُم مِّنۡ سُلْطٰنٍ بَلۡ كُنْتُمْ تَوَّمَا طٰغِيْنَ - (صافات - ۲۲)  
جب قیامت برپا ہوگی تو اللہ فرمائے گا، تمام ظالموں اور ان کے  
ساتھیوں کو اور معبودانِ غیر اللہ کو جن کی وہ عبادت کرتے تھے جمع کر دو اور  
انہیں جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ . . . . پھر وہ آپس میں ایک دوسرے سے  
رو وکد کرنے لگیں گے۔ عبادت کرنے والے کہیں گے کہ تم وہی لوگ تو  
ہو جو خیر کی راہ سے ہمارے پاس آتے تھے۔ ان کے معبود جواب دیں گے  
کہ اصل میں تو تم خود ایمان لانے پر تیار نہ تھے ہمارا کوئی زور تم پر نہ تھا۔ تم

آپ ہی نافرمان لوگ تھے۔

اس آیت میں عابدوں اور معبودوں کے درمیان جو سوال و جواب نقل کیا گیا ہے اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں معبودوں سے مراد بت اور دیوتا نہیں ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی، بلکہ وہ پیشوا اور رہنما ہیں جنہوں نے خیر کا جہا پہن کر انسانوں کو گمراہ کیا، جو تقدس کے لباس میں نمودار ہوئے، جنہوں نے سجادوں اور تسبیحوں اور جُتوں اور کلمیوں سے بندگانِ خدا کو دھوکا دے دے کر اپنا معتقد بنایا جنہوں نے اصلاح اور خیر خواہی کے دعوے کر کے شر اور فساد پھیلانے۔ ایسے لوگوں کی اندھی تقلید اور ان کے احکام کی بے چون و چرا اطاعت کرنے ہی کو یہاں عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اتَّخَذُوا أَجْنَابَهُمْ دُخْبَانَهُمْ آدِبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ وَمَسِجِدَ

ابنِ مَدْيَنَ وَمَا أُمِدُّوا إِلَّا لِيَجْعُدُوا آلِهَاتًا أُخْتًا - (التوبہ - ۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا کے بجائے اپنا رب بنا لیا اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔

یہاں علماء اور مشائخ کو رب بنا کر ان کی عبادت کرنے سے مراد ان کو امر و نہی کا مختار ماننا اور خدا و پیغمبر کی سند کے بغیر ان کے احکام کی اطاعت بجالانا، اسی معنی کی تصریح روایات صحیحہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے۔ جب آپ سے عرض کیا گیا کہ ہم نے علماء اور مشائخ کی پرستش تو کبھی نہیں۔ تو آپ نے جواب دیا کہ جس چیز کو انہوں نے حلال ٹھہرایا، کیا تم نے اسے حلال نہیں سمجھ لیا؟

اور جسے انھوں نے حرام قرار دیا کیا تم نے اسے حرام نہیں بنا لیا ہے۔

## عبادت بمعنی پرستش :

اب تیسرے معنی کی آیات کو لے لیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لینی

چاہیے کہ قرآن کی رو سے عبادت بمعنی پرستش میں دو چیزیں شامل ہیں۔

ایک یہ کہ کسی کے لیے سجدہ و رکوع اور دست بستہ قیام اور طواف اور

آستانہ بوسی اور نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ کے وہ مراسم ادا کیے جائیں جو بالعموم

پرستش کی غرض سے ادا کیے جاتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اسے مستقل بالذات

معبود سمجھا جائے یا بڑے معبود کے ہاں تقرب اور سفارش کا ذریعہ سمجھ کر ایسا کیا

جائے، یا بڑے معبود کے ماتحت خدائی کے انتظام میں شریک سمجھتے ہوئے یہ

حرکت کی جائے۔

دوسرے یہ کہ کسی کو عالم اسباب پر ذی اقتدار خیال کر کے اپنی حاجتوں میں

اس سے دعا مانگی جائے، اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں میں اس کو مدد کے لیے پکارا

جائے اور خطرات و نقصانات سے بچنے کے لیے اس سے پناہ مانگی جائے۔

یہ دونوں قسم کے فعل قرآن کی رو سے یکساں پرستش کی تعریف میں آتے

ہیں۔ مثالیں :-

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي - (المومن - ۴۴)

کہو، مجھے تو اس سے منع کر دیا گیا ہے کہ اپنے رب کی طرف سے صریح

ہدایات پالینے کے بعد میں ان کی پرستش کروں جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر  
پکارتے ہو۔

وَأَعْتَزِلْكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا رَبِّي  
... فَلَمَّا اعْتَزَلْتَهُمْ وَمَا يَعْجُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ - (مریم - ۲۸ - ۲۹)

(ابراہیم نے کہا) میں تم کو اور اللہ کے ماسوا جنہیں تم پکارتے ہو، ان  
سب کو چھوڑتا ہوں۔ اور اپنے رب کو پکارتا ہوں۔ . . . پس  
جب وہ ان سے اور اللہ کے سوا جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ ان سب  
سے الگ ہو گیا تو ہم نے اسے اسحاق جیسا بیٹا دیا۔ . . .

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ  
إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ، وَإِذَا حُشِرُوا

النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ - (احقاف)

اور اُس سے زیادہ بہکا ہو، انسان اور کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر انہیں  
پکارتے ہو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے، جنہیں  
خبر تک نہیں کہ ان کو پکارا جا رہا ہے۔ اور جو روزِ حشر میں (جبکہ لوگ جمع  
کیے جائیں گے، اپنے ان پکارنے والوں کے دشمن ہوں گے اور ان کی  
عبادت کا انکار کریں گے۔

۱۰ یعنی صاف کہیں گے کہ نہ ہم نے ان سے کہا کہ ہماری عبادت کرو اور نہ ہمیں اس کی خبر  
خبر ہوئی کہ یہ ہماری عبادت کرتے تھے۔

تینوں آیتوں میں قرآن نے خود ہی تصریح کر دی ہے کہ یہاں عبادت سے مراد عامانگنا اور بندو کے لیے پکارنا ہے۔

بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِبْنَ أَكْثَرَهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ۔ (سبا۔ ۴۱)  
بلکہ وہ جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

یہاں جنوں کی عبادت اور ان پر ایمان لانے سے جو کچھ مراد ہے اس کی تشریح سورہ جن کی یہ آیت کرتی ہے :-

وَإِنَّهٗ كَانَ رِجَالًا مِّنَ الْإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ۔ (جن۔ ۶)  
اور یہ کہ انسانوں میں سے بعض اشخاص جنوں میں سے بعض اشخاص کی پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جنوں کی عبادت سے مراد ان کی پناہ ڈھونڈنا ہے اور خطرات و نقصانات کے مقابلہ میں ان سے حفاظت طلب کرنا ہے اور ان پر ایمان لانے سے مراد ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا ہے کہ وہ پناہ دینے اور حفاظت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

يَوْمَ يَشْرَهُمْ مَا يَعْبُدُونَ مِّنْ دُونِ اللَّهِ قِيْلَ ءَا أَنْتُمْ  
أَضَلَلْتُمْ عِبَادِي هَؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ۔ قَالُوا سُبْحٰنَكَ  
مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَدْيَاءٍ۔ (الفونان  
۱۸-۱۷)

جس روز اللہ ان کو اور ان کے معبودوں کو جمع کرے گا جن کی یہ خدا کو چھوڑ کر عبادت کرتے تھے تو وہ ان سے پوچھے گا کہ میرے ان بندوں کو تم نے

بہکایا تھا یا یہ خود اور راست سے بہک گئے؟ وہ عرض کریں گے سبحان اللہ!  
ہم کو کب زبیا تھا کہ حضور کو چھوڑ کر ہم کسی کو دلی درفین بنا لیں۔

یہاں اندازِ بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معبودوں سے مراد اولیاء اور صلحاء  
ہیں اور ان کی عبادت سے مراد ان کو بندگی کی صفات سے بالاتر اور خدائی کی صفات  
سے منصف سمجھنا، ان کو غیبی امداد اور مشکل کشائی و فریاد رسی پر قادر خیال کرنا اور ان  
کے لیے تعظیم کے وہ مراسم ادا کرنا ہے جو پرستش کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں۔

دَيُّوهُمْ يَجْشُرُهُمْ جَبِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِيْمَلِيْكَةِ اَهْلُوْا لَاعِ اِيَّاكُمْ

كَانُوْا يَعْجُدُوْنَ - قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَاٰلِئِنَّا مِنْ دُوْنِهِمْ - (سبا - ۴۰)

جس روز اللہ ان سب کو اکٹھا کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا،

کیا وہ تم ہو جن کی یہ لوگ عبادت کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے سبحان اللہ!

ہمیں ان سے کیا تعلق؟ ہمارا تعلق تو آپ سے ہے۔

یہاں فرشتوں کی عبادت سے مراد ان کی پرستش ہے جو ان کے استھان اور

ہیکل اور خیالی محسنے بنا کر کی جاتی تھی اور اس پوجا سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ ان کو

خوش کر کے ان کی نظر عنایت اپنے حال پر بندول کرائی جائے، اور اپنے نبوی

معاملات میں ان سے مدد حاصل کی جائے۔

دَيُّوْهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

اے یہی فرشتے دوسری مشرک قوموں میں دیتا (gods) قرار دیے گئے تھے، اور اہل

عرب ان کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

هُوَ لَآءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ - (یونس - ۱۸)

وہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے تھے جو نہ انہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ اَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا

اِلَى اللّٰهِ مَرْتَلَفًا - (الزمر - ۳)

جن لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا ولی بنا رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔

یہاں بھی عبادت سے مراد پرستش ہے اور اس غرض کی بھی تشریح کر دی گئی ہے جس کے لیے یہ پرستش کی جاتی ہے۔

## عبادت بمعنی بندگی و اطاعت پرستش:

ادپر کی مثالوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن میں عبادت کا لفظ کہیں غلامی و اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کہیں حجر و اطاعت کے معنی میں۔ اب قبل اس کے کہ ہم وہ مثالیں پیش کریں جن میں یہ لفظ عبادت کے ان تینوں مفہومات کا جامع ہے، ایک مقدم ذہن نشین کر لینا ضروری ہے۔

ادپر حتمی مثالیں پیش کی گئی ہیں ان سب میں اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کا ذکر ہے۔ جہاں عبادت سے مراد غلامی و اطاعت ہے وہاں مجبود یا تو شیطان ہے یا وہ باغی انسان ہیں جنہوں نے طاغوت بن کر خدا کے بندوں سے خدا کے بجائے



اپنی بندگی و اطاعت کرائی، یا وہ رہنما و پیشوا ہیں جنہوں نے کتاب اللہ سے بے نیانہ ہو کر اپنے خود ساختہ طریقوں پر لوگوں کو چلا دیا۔ اور جہاں عبادت سے مراد پرستش ہے وہاں معبود یا نو اولیاء، انبیاء اور صلحا ہیں جنہیں ان کی تعلیم و ہدایت کے خلاف معبود بنایا گیا، یا فرشتے اور جن ہیں جن کو محض غلط فہمی کی بنا پر فوق <sup>طبیعی</sup> ربوبیت میں شریک سمجھ لیا گیا، یا خیالی طاقتوں کے بت اور نمائیل ہیں جو محض شیطانی اغوا سے مرکز پرستش بن گئے۔ قرآن ان تمام اقسام کے معبودوں کو باطل اور ان کی عبادت کو غلط ٹھہراتا ہے، خواہ ان کی غلامی کی گئی ہو یا اطاعت یا پرستش۔ وہ کتنا ہے کہ تمہارے یہ سب معبود جن کی تم عبادت کرتے رہے ہو، اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ نہ انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ان کی عبادت کی جائے اور نہ ان کی عبادت سے بجز نامرادی اور وقت و رسوائی کے تم کو کچھ حاصل ہو سکتا ہے۔ حقیقت میں ان کا اور ساری کائنات کا مالک اللہ ہی ہے، اس کے ہاتھ میں تمام اختیارات ہیں، لہذا عبادت کا مستحق اکیلے اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فَأَدْعُوهُمْ  
فَلَيْسَ جَبُّوَالِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ . . . . .

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْمَعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا  
أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ - (اعراف - ۱۹۲ - ۱۹۴)

اللہ کو چھوڑ کر جنہیں تم پکارتے ہو وہ تو محض بندے ہیں، جیسے تم خود بندے ہو۔ انہیں پکار کر دیکھ لو۔ اگر تمہارا عقیدہ ان کے بارے میں

صحیح ہے تو وہ تمہاری پکار کا جواب لے دیں۔۔۔۔۔ اللہ کے سوا جنہیں  
تم پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری کوئی مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی مدد پر  
قادر ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُونَ،  
لَا يُسْئِرُونَ، يَا لِقَوْلِ دَهُمِ يَا مُرِءٍ يَعْمَلُونَ - يَعْلَمُ مَا بَيْنَ  
أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَمَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى وَهُمْ  
مِنَ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ - (انبیاء - ۲۶ - ۲۸)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا! بالآخر ہے وہ اس سے کہ  
کوئی اس کا بیٹا ہو۔ جنہیں یہ اس کی اولاد کہتے ہیں وہ دراصل اس کے  
بندے ہیں جن کو عزت دی گئی ہے ان کی اتنی مجال نہیں کہ وہ خود سبقت  
کر کے اللہ کے حضور کچھ عرض کر سکیں بلکہ جیسا وہ حکم دیتا ہے اسی کے  
مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان پر ظاہر ہے اسے بھی اللہ جانتا ہے  
اور جو کچھ ان سے پوشیدہ ہے اس کی بھی اللہ کو خبر ہے۔ وہ اللہ کے  
حضور کسی کی سفارش نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ جس کی سفارش خود  
اللہ ہی قبول کرنا چاہے اور ان کا حال یہ ہے کہ اللہ کے خوف سے  
سہمے رہتے ہیں۔

۱۵ جواب دینے سے مراد جواب میں پکارنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد جوابی کارروائی کرنا ہے  
جیسا کہ اس سے پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں۔  
۱۶ ان معزز بندوں سے مراد فرشتے ہیں۔

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا - (زخرف - ۱۹)

ان لوگوں نے فرشتوں کو جو اصل رحمان کے بندے ہیں دیویاں بنا رکھا ہے۔

وَجَعَلُوا آيَاتِهِ وَبَيِّنَاتٍ لِّلْحَيَّةِ لَسْبًا وَ لَقَدْ عَلِمْتِ الْهُنَّ أَنَّهُمْ

لَبِحُضْرُونَ - (صافات - ۱۸۸)

انھوں نے جنوں کے اور خدا کے درمیان نسبی تعلق فرض کر لیا ہے حالانکہ جن خود بھی جانتے ہیں کہ ایک روز انھیں حساب کے لیے اس کے حضور پیش ہونا ہے۔

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ  
الْمُقَرَّبُونَ، وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكِبْ فَسِيْحًا

إِلَيْهِ جَبِيحًا - (النساء - ۱۴۲)

نہ مسیح نے کبھی اس کو اپنے لیے عار سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں نے۔ اور جو کوئی اس کی بندگی و غلامی میں عار سمجھے اور تکبر کرے (وہ بھاگ کر جاکہاں سکتا ہے) ایسے سب لوگوں کو اللہ اپنے حضور کھینچ بلائے گا۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ، وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ (الرحمن - ۵ - ۶)

سورج اور چاند سب گردش میں لگے ہیں اور تارے اور درخت خدا کے

آگے سر اطاعت جھکائے ہوئے ہیں۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ

شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِحُ بِحَمْدِكَ وَالَّذِينَ لَا يَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ -

(بنی اسرائیل - ۲۲)

ساقول آسمان اور زمین اور جس قدر موجودات آسمان و زمین میں ہیں سب کے سب اللہ کی تسبیح کر رہے ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو۔ مگر تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔

وَلَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلُّ لَئِنَّمَا يَنْتُونِ - (الروم - ۲۶)

آسمانوں اور زمین کی کل موجودات اس کی ملک ہے اور ساری چیزیں اس کے فرمان کی تابع ہیں۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هِيَ آخِذَةٌ بِنَاصِيَتِهَا - (ہود - ۵۶)

کوئی جاندار ایسا نہیں جو اللہ کے قبضہ قدرت میں جکڑا ہوا نہ ہو۔

إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَنِ عَبْدًا  
لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا وَكُلُّهُمْ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

قَدْ دَا - (مریم - ۹۳ - ۹۵)

زمین اور آسمانوں کے باشندوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو رحمن کے سامنے غلام کی حیثیت سے پیش ہونے والا نہ ہو۔ اس نے سب کا شمار کر رکھا ہے اور قیامت کے روز سب اس کے حضور فرداً فرداً پیش ہوں گے۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَا لِكَ الْمُلِكِ تُؤْتِي الْمُلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ  
الْمُلِكَ مِنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُنْزِلُ مَنْ تَشَاءُ بِبِيَدِكَ

الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ - (آل عمران - ۲۶)

کہو! خدایا! ملک کے مالک! تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے ذلیل کر دے

بھلائی تیرے اختیار میں ہے، یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔  
 اس طرح ان سب کو جن کی عبادت کسی شکل میں کی گئی ہے، اللہ کا غلام اور  
 بے اختیار ثابت کر دینے کے بعد قرآن تمام جن وانس سے مطالبہ کرتا ہے کہ ہر مضمون  
 کے لحاظ سے عبادت صرف اللہ کی ہونی چاہیے۔ غلامی ہو تو اس کی، اطاعت ہو  
 تو اس کی پرستش ہو تو اس کی، ان میں سے کسی نوع کی عبادت کا شائبہ تک بھی  
 غیر اللہ کے لیے نہ ہو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا  
 الطَّاغُوتَ۔ (النحل - ۳۶)

ہم نے ہر قوم میں ایک رسول بھی پیغام دے کر بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو  
 اور طاغوت کی عبادت سے پرہیز کرو۔

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَن يَدْعُوا أَنَا بُوَا إِلَى اللَّهِ  
 لَهُمُ الْبُشْرَى۔ (الزمر - ۱۷)

جو ٹھگری ہے ان کے لیے جنھوں نے طاغوت کی عبادت سے پرہیز  
 کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا۔

أَلَمْ آعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ  
 لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ۔ (یس - ۶۰-۶۱)

اے بنی آدم! کیا میں نے تم کو ناکید نہ کی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ  
 کرنا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرنا، یہی سیدھا  
 راستہ ہے۔

اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ...

... وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا - (التوبة - ۳۱)

انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنا لیا، حالانکہ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن كَيْبَتِ مَا ذَرَفْنَا لَكُمْ وَأَشْكُرُوا

لِلَّهِ إِنَّ كُنْتُمْ رَائِيًا تَعْبُدُونَ - (بقرہ - ۱۷۲)

اے ایمان لانے والو! اگر تم نے واقعی ہماری ہی عبادت اختیار کی ہے

تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلف کھاؤ اور خدا کا شکر ادا کرو۔

ان آیات میں اللہ کے لیے اس عبادت کو مخصوص کرنے کا حکم دیا گیا ہے

جو بندگی و غلامی اور اطاعت و فرمانبرداری کے معنی میں ہے۔ اور اس کے لیے صاف فریضہ موجود ہے کہ طاغوت اور شیطان اور اجار و رہبان اور آباؤ اجداد کی اطاعت و بندگی سے پرہیز کر کے اللہ کی اطاعت و بندگی اختیار کرنے کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

قُلْ إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

لَمَّا جَاءَنِي الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُحِرْتُ أَنْ أُسَلِّمَ لِرَبِّ

الظَّالِمِينَ - (المومن - ۲۶)

کہو، مجھے اس سے منع کیا گیا ہے کہ میں اپنے رب کو چھوڑ کر ان کی

عبادت کروں جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارتے ہو، جبکہ میرے رب کی

طرف سے میرے پاس بیانات بھی آچکی ہیں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں  
رب العالمین کے آگے سر تسلیم خم کروں۔

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ  
عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ - (المومن - ۴۰)  
اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو، میں تمہاری پکار کا  
جواب دوں گا۔ اور جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ  
یقیناً جہنم میں جھونکے جائیں گے۔

ذَالِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ، لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ  
مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْبِإِذٍ إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعَاءَكُمْ  
وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ  
بِشِرْكِكُمْ - (فاطر - ۱۳-۱۴)

وہی اللہ تمہارا رب ہے، پادشاہی اسی کی ہے، اس کے سوا تم جن  
کو پکارتے ہو ان کے اختیار میں ذرہ برابر کچھ نہیں۔ تم انہیں پکارو تو  
وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے اور سن بھی لیں تو جواب نہیں دے سکتے۔  
اور قیامت کے روز وہ تمہارے اس شرک کا انکار کریں گے۔

قُلِ اتَّعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْبِيْكُمْ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا  
وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ - (المائدہ - ۷۴)

کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نقصان پہنچانے کی  
طاقت رکھتے ہیں، نہ نفع پہنچانے کی، سب کچھ سننے اور جاننے والا

تو اللہ ہی ہے۔

ان آیات میں اس عبادت کو اللہ کے لیے مختص کرنے کی ہدایت کی گئی ہے جو پرستش کے معنی میں ہے۔ اور اس کے لیے بھی صاف قرینہ موجود ہے کہ عبادت کو دعا کے مترادف کی حیثیت سے استعمال کیا گیا ہے اور ما قبل و ما بعد کی آیات میں ان معبودوں کا ذکر پایا جاتا ہے جنہیں فوق الطبیعی ربوبیت میں اللہ کا شریک قرار دیا جاتا ہے۔

اب کسی صاحبِ بصیرت آدمی کے لیے یہ سمجھ لینا کچھ بھی مشکل نہیں کہ جہاں جہاں قرآن میں اللہ کی عبادت کا ذکر ہے اور اس پاس کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے جو لفظِ عبادت کو اس کے مختلف مفہومات میں سے کسی ایک مفہوم کے لیے خاص کرتا ہو، ایسے تمام مقامات میں عبادت سے مراد غلامی، اطاعت اور پرستش تینوں مفہوم ہوں گے۔ مثال کے طور پر حسبِ ذیل آیات کو دیکھیے:-

إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي - (طہ - ۱۳)

میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی الٰہ نہیں، لہذا تو میری ہی عبادت کر۔

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ ذَكِيرٌ - (العام - ۱۰۲)

وہی اللہ تمہارا رب ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، ہر چیز کا خالق، لہذا تم اس

کی عبادت کرو اور وہ ہر شے کی خبر گیری کا متکفل ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ

الدِّينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن آعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي



يَتَذَكَّرُ لَكُمْ دَأْمِرَاتٌ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ - (يونس - ۱۰۴)  
 کہو، کہ لوگو! اگر تمہیں ابھی تک معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے تو تمہیں  
 معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں ان کی  
 عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری  
 رُوہیں قبض کرتا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں  
 میں شامل ہو جاؤں۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَبَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ دَا بَادِكُمْ  
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ، إِنْ الْحَكْمُ إِلَّا لِلَّهِ آمَرَ إِلَّا  
 تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاتُهُ، ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ - (يوسف - ۲۰)  
 اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ  
 نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔  
 اللہ نے ان کے لیے کوئی دلیل معبودیت نازل نہیں کی ہے۔ اقتدار  
 صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ خود اس کے  
 سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی سیدھا طریقہ ہے۔

وَاللَّهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ فَأَعْبُدْهُ  
 وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ - (ہود - ۱۲۳)

آسمانوں اور زمین کی جس قدر حقیقتیں بندوں سے پوشیدہ ہیں ان کا علم  
 اللہ ہی کو ہے اور سارے معاملات انہی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں۔  
 لہذا تو اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ رکھ۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ، وَمَا كَانَ  
رَبُّكَ نَسِيًّا ، رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ  
وَأَطِيعُوا أَمْرًا نَهَى - (مریم - ۶۴ - ۶۵)

جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہم سے پوشیدہ ہے اور جو کچھ  
ان دونوں حالتوں کے درمیان ہے، سب کا مالک وہی ہے، اور  
بیزاد بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ مالک ہے آسمان اور زمین کا اور  
ان ساری چیزوں کا جو زمین و آسمان کے درمیان ہیں۔ لہذا تو اسی کی عبادت  
کر اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہ۔

فَمَنْ كَانَ يَدْعُو لِقَاءِ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ  
بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا - (کہف - ۱۱۰)

پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب  
کی عبادت میں کسی کی عبادت شریک نہ کرے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ان آیات اور ایسی ہی دوسری تمام آیات میں عبادت کے لفظ  
کو محض پرستش یا محض بندگی و اطاعت کے لیے مخصوص ٹھیرا لیا جائے۔ اس طرح کی آیات  
میں دراصل قرآن اپنی پوری دعوت پیش کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن کی دعوت یہی  
ہے کہ بندگی، اطاعت، پرستش جو کچھ بھی ہو اللہ کی ہو۔ لہذا ان مقامات پر عبادت کے  
معنی کو کسی ایک مفہوم میں محدود کرنا حقیقت میں قرآن کی دعوت کو محدود کرنا ہے اور  
اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کی دعوت کا ایک محدود تصور لے کر ایمان  
لائیں گے وہ اس کی ناقص و نامم پیروی کریں گے۔

## دین

### لغوی تحقیق:

کلام عرب میں لفظ دین مختلف معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) غلبہ و اقتدار، حکمرانی و فرمانروائی، دوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنا، اس

پر اپنی قوتِ فاہرہ (Sovereignty) استعمال کرنا، اس کو اپنا غلام اور تابع امر بنانا۔ مثلاً کہتے ہیں دان الناس، ای قہوہم علی الطاعة (یعنی لوگوں کو اطاعت

پر مجبور کیا)۔ دنتہم فدانوا، ای قہوتہم فاطاعة (یعنی میں نے

ان کو مغلوب کیا اور وہ مطیع ہو گئے)۔ دنت القوم ای اذللنتہم واستعبد

میں نے فلاں گروہ کو مسخر کر لیا اور غلام بنا لیا، دان الرجل اذا عذ (فلاں شخص

عزت اور طاقت والا ہو گیا)۔ دنت الرجل حملتہ علی ما یکدرہ۔ (میں نے

اس کو ایسے کام پر مجبور کیا جس کے لیے وہ راضی نہ تھا)۔ دین فلاں اذا

حمل علی مکودہ (فلاں شخص اس کام کے لیے بزور مجبور کیا گیا)۔ دنتہ

ای سستہ و ملکتہ (یعنی میں نے اس پر حکم چلایا اور فرمانروائی کی ادیتتہ

القوم و لیتنے سیاستھمز یعنی میں نے لوگوں کی سیاست و حکمرانی فلاں شخص  
کے سپرد کر دی۔ اسی معنی میں خطبہ اپنی ماں کو خطاب کر کے کہتا ہے :-

لقد دینت امر بیک حتی ترکتھم اذق من الطحین

دو اپنے بچوں کے معاملات کی نگرانی بنائی گئی تھی۔ آخر کار تو نے انھیں  
اٹے سے بھی زیادہ باریک کر کے چھوڑا۔

حدیث میں آتا ہے الحیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت

یعنی عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو مغلوب کر لیا اور وہ کام کیا جو اس کی آخرت  
کے لیے نافع ہو۔ اسی معنی کے لحاظ سے بیان اس کو کہتے ہیں جو کسی ملک یا قوم

یا قبیلے پر غالب و ظاہر ہو اور اس پر فرمانروائی کرے۔ چنانچہ اعشیٰ الحمر مازی نبی

صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے یا سید الناس و دیان العرب۔

اور اسی لحاظ سے مدین کے معنی غلام اور مدینہ کے معنی لونڈی، اور ابن مدینہ کے

معنی لونڈی زاوے کے آتے ہیں۔ اخطل کہتا ہے ربت و ربانی حجوہا ابن مند۔

اور قرآن کہتا ہے فلو لا ان کنتم مدینین ترجعونہا ان کنتم صلیین۔

یعنی اگر تم کسی کے مملوک، تابع، ماتحت نہیں ہو تو مرنے والے کو موت سے بچا کیوں

نہیں لیتے؟ جان کو واپس کیوں نہیں پٹا لاتے؟

(۲) اطاعت، بندگی، خدمت، کسی کے لیے مسخر ہو جانا، کسی کے تحت امر

ہونا، کسی کے غلبہ و ظہور کے اس کے مقابلہ میں ذلت قبول کر لینا۔ چنانچہ کہتے

ہیں دنتھم فداوا، ای تھم تھم فاطا عوا (یعنی میں نے ان کو مغلوب کر

لیا اور وہ لوگ مطیع ہو گئے) دنت الرجل، ای خدمتہ (یعنی میں نے فلاں

شخص کی خدمت کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا اے اید من قریش  
 کلمۃ تدین لہم بہا العرب ای تطیعہم و تخضع لہم۔ ”میں قریش  
 کو ایک ایسے کلمہ کا پیرو بنانا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اسے مان لے تو تمام عرب اس  
 کا تابع فرمان بن جائے اور اس کے آگے جھک جائے“ اسی معنی کے لحاظ سے  
 اطاعت شعار قوم کو قوم دین کہتے ہیں۔ اور اسی معنی میں دین کا لفظ حدیثِ خوارج  
 میں استعمال کیا گیا ہے، یہ دونوں من المدین مروق السہم من الدمیۃ۔  
 (۳) شریعت، قانون، طریقہ، کیش و ملت، رسم و عادت۔ مثلاً کہتے ہیں ما  
 ذال ذالک دینی و دیدنی۔ یعنی یہ ہمیشہ سے میرا طریقہ رہا ہے۔ یقال  
 دان، اذا اعتاد خیراً و شراً۔ یعنی آدمی خواہ بُرے طریقہ کا پابند ہو یا بھلے طریقہ  
 کا، دونوں صورتوں میں اس طریقہ کو جس کا وہ پابند ہے دین کہیں گے۔ حدیث میں

۱۵ اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خوارج دینِ معنی ملت سے نکل جائیں گے۔ کیونکہ  
 حضرت علیؑ سے جب ان کے متعلق پوچھا گیا اکتفادہم کیا یہ لوگ کافر ہیں؟ تو آپ  
 نے فرمایا من الکفر فرداً، کفر ہی سے تو وہ بھاگے ہیں۔ پھر پوچھا گیا انہنا فتنون  
 ہم، کیا یہ منافق ہیں؟ آپ نے فرمایا منافق تو خدا کو کم یاد کرتے ہیں اور ان لوگوں کا حاکم  
 یہ ہے کہ شب و روز اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ اسی پر یہ متعین ہوتا ہے کہ اس حدیث  
 میں دین سے مراد اطاعتِ امام ہے۔ چنانچہ ابن اثیر نے نہایت اس کے یہی معنی بیان  
 کیے ہیں: اداد بالدين الطاعة، ای انہم یخرجون من طاعة الامام المقتدر  
 الطاعة و ینسلخون منها۔ (جلد ۲۔ صفحہ ۲۱-۲۲)۔

ہے کانت قریش و من دان بدینہد قریش اور وہ لوگ جو ان کے مسلک کے پیرو تھے۔ اور حدیث میں ہے انه علیہ السلام کان علی دین قومہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے اپنی قوم کے دین پر تھے۔ یعنی نکاح، طلاق، میراث اور دوسرے تمدنی و معاشرتی امور میں انہی قاعدوں اور ضابطوں کے پابند تھے جو اپنی قوم میں رائج تھے۔

(۴) اجراء عمل، بدلہ، مکانات، فیصلہ، محاسبہ۔ چنانچہ عربی میں مثل ہے

کہا تدين ندان، یعنی جیسا تو کرے گا ویسا بھرے گا، قرآن میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا گیا ہے أَن تَأْكُمِي يَنُونَ، کیا مرنے کے بعد ہم سے حساب لیا جانے والا ہے اور ہمیں بدلہ ملنے والا ہے؟ عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں آتا ہے لَا تَسْبُوا السُّلْطَانَ فَإِنَّكَ لَأَبْدُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ ذَهَبَ كَمَا يَذْهَبُ يَنُونَ اپنے حکمرانوں کو گالیاں نہ دو۔ اگر کچھ کہنا ہی ہو تو یوں کہو کہ خدا یا جیسا یہ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں ویسا ہی تو ان کے ساتھ کر۔ اسی معنی میں لفظ ديان بمعنی قاضی و حاکم عدالت آتا ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ سے جب حضرت علی کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کان ديان هذا الامّة بعد نبیہا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ امت کے سب سے بڑے قاضی تھے۔

## قرآن میں لفظ دین کا استعمال:

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ دین کی بنیاد میں چار تصورات ہیں، یا بالفاظ دیگر یہ لفظ عربی ذہن میں چار بنیادی تصورات کی ترجمانی

کرتا ہے۔

- ۱۔ غلبہ و تسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے۔
- ۲۔ اطاعت، تعبد اور بندگی صاحبِ اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔

۳۔ قاعدہ و ضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے۔

۴۔ محاسبہ اور فیصلہ اور جزا و سزا۔

انہی تصورات میں سے کبھی ایک کے لیے اور کبھی دوسرے کے لیے اہل عرب مختلف طور پر اس لفظ کو استعمال کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان چاروں امور کے متعلق عرب کے تصورات پوری طرح صاف نہ تھے اور کچھ بہت زیادہ بلند بھی نہ تھے اس لیے اس لفظ کے استعمال میں ابہام پایا جاتا تھا۔ اور یہ کسی باقاعدہ نظام منکر کا اصطلاحی لفظ نہ بن سکا۔ قرآن آیا تو اس نے اس لفظ کو اپنے مفہم کے لیے مناسب پا کر بالکل واضح و متعین مفہومات کے لیے استعمال کیا اور اس کو اپنی مخصوص اصطلاح بنا لیا۔ قرآنی زبان میں لفظ دین ایک پورے نظام کی نمائندگی کرتا ہے۔ جس کی ترکیب چار اجزا سے ہوتی ہے۔

۱۔ حاکمیت و اقتدارِ اعلیٰ۔

۲۔ حاکمیت کے مقابلہ میں تسلیم و اطاعت۔

۳۔ وہ نظامِ فکر و عمل جو اس حاکمیت کے زیر اثر بنے۔

۴۔ مکافات جو اقتدارِ اعلیٰ کی طرف سے اس نظام کی وفاداری و اطاعت کے

صلے میں یا سرکشی و بغاوت کی پاداش میں دی جائے۔

قرآن کبھی لفظِ دین کا اطلاق معنی اول و دوم پر کرتا ہے، کبھی معنی سوم پر، کبھی معنی چہارم پر اور کہیں الدین بول کر یہ پورا نظام اپنے چاروں اجزاء سمیت مراد لیتا ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے حسبِ ذیل آیاتِ قرآنی ملاحظہ ہوں۔

## دین معنی اول و دوم:

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ نَزَّادًا السَّمَاءَ بِنَاءً ذَوَّوْرَكُمُ  
فَأَحْسَنَ صُوْرَكُمُ وَرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَا لِكُمْ اللَّهُ  
رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ - هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا  
هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّيْنَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ  
الْعَالَمِينَ - (المومن - ۶۴- ۶۵)

وہ اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس پر آسمان کا قبہ چھایا، جس نے تمہاری صورتیں بنائیں، جس نے پاکیزہ چیزوں سے تم کو رزق بہم پہنچایا، وہی اللہ تمہارا رب ہے اور بڑی برکتوں والا ہے وہ رب العالمین ہے۔ وہی زندہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ لہذا تم اسی کو پکارو دین کو اسی کے لیے خاص کر کے۔ تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

قُلْ إِنِّي أُمِدْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ وَأُمِدْتُ  
لِأَنْ أَكُونَ أَدَلُّ الْمُسْلِمِينَ . . . . قُلِ اللَّهُ آعْبُدُ مُخْلِصًا  
لَهُ الدِّيْنَ فَاعْبُدُوْهُ مَا سِئْتُم مِّنْ دُوْنِهِ . . . . وَالَّذِينَ



اجْتَبُوا الطَّاعُونََ اَنْ يَّعْبُدُوْهُا وَاِنَّا بُوَا اِلَى اللّٰهِ لَمُهْمُ

البشرى - ( الزمر - ۱۱ - ۱۴ )

کہو مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے اسی کی بندگی کروں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے میں خود میرا طاعت جھکاؤں . . . . . کہو میں تو دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے اسی کی بندگی کروں گا۔ تم کو اختیار ہے اس کے سوا جس کی چاہو بندگی اختیار کرتے پھر . . . . . اور جو لوگ طاغوت کی بندگی کرنے سے پرہیز کریں اور اللہ کی ہی طرف رجوع کریں۔ ان کے لیے خوشخبری ہے

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاَعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّيْنَ

آلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ - ( الزمر - ۲ - ۳ )

ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق نازل کر دی ہے لہذا تم دین کو اللہ کے لیے خاص کر کے صرف اسی کی بندگی کرو۔ خبردار! دین خالصتہ اللہ ہی کے لیے ہے۔

وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاَصْبٰٓءًا، اَفَغَيَّرَ

اِدۡءَ تَنۡفُوۡنَ - ( النحل - ۵۲ )

زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اللہ کے لیے ہے اور دین خالصتہ اسی کے لیے ہے۔ پھر کیا اللہ کے سوا تم کسی اور سے تقویٰ کرو گے؟ (یعنی کیا اللہ کے سوا کوئی اور ہے جس کے حکم کی خلاف ورزی سے تم بچو گے اور جس کی ناراضی سے تم ڈرو گے؟)

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْخُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا ذَلِكَ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ - (آل عمران - ۸۳)

کیا یہ لوگ اللہ کے سوا کسی اور کا دین چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چاروں طرف اللہ ہی کی مطیع فرمان ہیں اور اسی کی طرف ان کو پلٹ کر جانا ہے۔

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ - (البیئہ - ۵)

اور ان کو اس کے سوا کوئی اور حکم نہیں دیا گیا تھا کہ مکیں وہو کر دین کو اللہ کے لیے خالص کرتے ہوئے صرف اسی کی بندگی کریں۔

ان تمام آیات میں دین کا لفظ اقتدارِ اعلیٰ اور اس اقتدار کو تسلیم کر کے اس کی اطاعت و بندگی قبول کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے لیے دین کو خالص کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی حاکمیت، فرمانروائی، حکمرانی اللہ کے سوا کسی کی تسلیم نہ کرے، اور اپنی اطاعت و بندگی کو اللہ کے لیے اس طرح خالص کر دے کہ کسی دوسرے کی مستقل بالذات بندگی و اطاعت اللہ کی اطاعت کے ساتھ شریک نہ کرے۔

۱۴ یعنی اللہ کے سوا جس کی اطاعت بھی ہو اللہ کی اطاعت کے تحت اور اس کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہو۔ بیٹے کا باپ کی اطاعت کرنا، بیوی کا شوہر کی اطاعت کرنا، غلام یا نوکر کا آقا کی اطاعت کرنا اور اسی نوع کی دوسری تمام (باقی برص ۱۴۷)

## دین بمعنی سُوم :

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ  
الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن آعْبُدُ اللَّهَ  
الَّذِي يَتَوَكَّلُكُمْ وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَإِنْ أَقَمَدَجَهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ - (يونس - ۱۰۴-۱۰۵)

کہو کہ اے لوگو! اگر تم کو میرے دین کے بارے میں کچھ شک ہے یعنی  
اگر تم کھٹان معلوم نہیں ہے کہ میرا دین کیا ہے، تو لو سنو! میں ان کی  
بندگی و عبادت نہیں کرتا جن کی بندگی و اطاعت تم اللہ کو چھوڑ کر کر  
رہے ہو، بلکہ میں اس کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کرتا  
ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل ہو جاؤں جو اسی  
اللہ کے ماننے والے ہیں، اور یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ تو یکسو

دقیقہ حاشیہ ص ۴۶م اطاعتیں اگر اللہ کے حکم کی بنا پر ہوں اور ان حدود کے اندر ہوں جو اللہ  
نے مقرر کر دی ہیں تو یہ عین اطاعتِ الہی ہیں۔ اور اگر وہ اس سے آزاد ہوں، یا بالفاظ  
دیگر بجائے خود مستقل اطاعتیں ہوں، تو یہی عین بغاوت ہیں۔ حکومت اگر اللہ کے قانون  
پر مبنی ہے اور اس کا حکم جاری کرتی ہے تو اس کی اطاعت فرض ہے اور اگر ایسی نہیں  
ہے تو اس کی اطاعت مجرم۔

ہو کر اسی دین پر اپنے آپ کو قائم کر دے اور شرک کرنے والوں میں  
شامل نہ ہو۔

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ  
الْقَيُّمُ۔ (یوسف - ۲۰)

حکمرانی اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا فرمان ہے کہ تم اس  
کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔

ذَٰلِكَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِثُوْنَ . . . .  
ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ  
اَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَآءِ نِي مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ  
تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ . . . . بَلِ اتَّبَعَ  
الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اَهْدَآءَ هُمْ یَغٰیرِ عَلٰی . . . . فَاَقِمْ  
وَجْهَكَ لِیَدِیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ  
عَلٰیهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذَٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیْمُ وَلٰكِنْ  
اَكْثَرُ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (الروم - ۲۶ - ۳۰)

زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اسی کے مطیع فرمان ہیں . . . .  
. . . . وہ تمہیں سمجھانے کے لیے خود تمہارے اپنے معاملہ سے ایک  
مثال پیش کرتا ہے۔ بتاؤ یہ غلام تمہارے مملوک ہیں؟ کیا ان میں سے  
کوئی ان چیزوں میں جو ہم نے تمہیں دی ہیں تمہارا شریک ہے؟ کیا تم  
انہیں اس مال کی ملکیت میں اپنے برابر حصہ دار بناتے ہو۔ کیا تم ان سے

اپنے ہم چشموں کی طرح ڈرتے ہوئے . . . . . سچی بات یہ ہے کہ یہ  
ظالم لوگ علم کے بغیر محض اپنے تخیلات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔  
. . . . . پس تم کیسے ہو کر اپنے آپ کو اس دین پر قائم کرو۔ اللہ نے  
جس فطرت پر انسانوں کو پیدا کیا ہے اسی کو اختیار کر لو اللہ کی بنائی ہوئی  
ساخت کو بدلنا نہ جائے۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔ مگر اکثر لوگ  
نادانی میں پڑے ہوئے ہیں۔

الذَّانِبَةُ وَالذَّانِبِي فَاجِلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ - (النور - ۲)

زانی اور زانیہ دونوں کو سو سو کوڑے مارو اور اللہ کے دین کے معاملہ  
میں نرم کو ان پر رحم نہ آئے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ

يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ذَٰلِكَ

الذِّينِ الْفَيِّمُ - (التوبة - ۳۶)

اللہ کے نوشتے میں تو اس وقت سے مہینوں کی تعداد ۱۲ ہی چلی آتی

۱۔ یعنی اللہ نے جس ساخت پر انسان کو پیدا کیا ہے وہ تو یہی ہے کہ انسان کی تخلیق میں  
اس کی رزق رسائی میں، اس کی ربوبیت میں، خود اللہ کے سوا کوئی دوسرا شریک نہیں ہے۔  
نہ اللہ کے سوا کوئی اس کا خدا ہے نہ مالک اور نہ مطلق حقیقی۔ پس خالص فطری طریقہ یہ  
ہے کہ آدمی بس اللہ کا بندہ ہو اور کسی کا بندہ نہ ہو۔

ہے۔ جب سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ ان بارہ مہینوں میں سے ۴ مہینے حرام ہیں۔ یہی ٹھیک ٹھیک صحیح دین ہے۔

كَذَّٰلِكَ كَفَّٰنَا لِيُؤَسَّفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاكَ فِي دِينِ الْمَلِكِ - (يوسف - ۷۶)

اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر نکالی۔ اس کے لیے جائز نہ تھا کہ اس بادشاہ کے دین میں اپنے بھائی کو پکڑتا۔

وَكَذَّٰلِكَ ذَرَيْنَا لِيَكْتُمِيَنَّ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاءُ لَهُمْ لِيُؤَدَّوهُمُ وَيُلَيِّسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ - (الانعام - ۱۳۸)

اور اس طرح بہت سے مشرکین کے لیے ان کے بھیرائے ہوئے مشرکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو ایک خوش آئند فعل بنا دیا تاکہ انھیں ہلاکت میں ڈالیں اور ان کے لیے ان کے دین کو مشتبہ بنا لیں

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَدَّ عُوا لِمُحْرِمِينَ مَالَهُمْ يَأْذَنُ بِهِ اللَّهُ - (الشوریٰ - ۲۱)

۱۔ شریک سے مراد ہے خداوندی و فرمانروائی میں اور قانون بنانے میں خدا کا شریک ہونا۔  
۲۔ دین کو مشتبہ بنانے سے مطلب یہ ہے کہ یہ جھوٹے شریعت ساز اس گناہ کو ایسا خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں جس سے عرب کے لوگ اس شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ شاید یہ فعل بھی اس دین کا ایک جز ہے جو ان کو ابستہ اور حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے ملا تھا۔

کیا انھوں نے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں جو ان کے لیے دین کی قسم

سے ایسے قوانین بناتے ہیں جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا ہے ؟

لَكُمْ دِينُكُمْ دَلِيٌّ دِينِ - (الکافرون)

تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

ان سب آیات میں دین سے مراد قانون، ضابطہ، شریعت، طریقہ اور نظام فکر و عمل ہے جس کی پابندی میں انسان زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ اقتدار میں کسی ضابطہ و نظام کی پابندی کی جاتی ہے۔ خدا کا اقتدار ہے تو آدمی دین خدا میں ہے۔ اگر وہ کسی بادشاہ کا اقتدار ہے تو آدمی دین بادشاہ میں ہے۔ اگر وہ پنڈتوں اور پروہتوں کا اقتدار ہے تو آدمی انہی کے دین میں ہے۔ اور اگر وہ خاندان، برادری، یا جمہور قوم کا اقتدار ہے تو آدمی ان کے دین میں ہے۔ غرض جس کی سند کو آخری سند اور جس کے فیصلے کو منہائے کلام مان کر آدمی کسی طریقے پر چلتا ہے اسی کے دین کا وہ پیرو ہے۔

## دین بمعنی چہارم:

إِنَّمَا تُوْعَدُونَ لَصَادِقٍ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ - (الذاریات - ۴)

وہ خبر جس سے تمہیں آگاہ کیا جاتا ہے (یعنی زندگی بعد موت) یقیناً سچی ہے

اور دین یقیناً ہونے والا ہے۔

أَرَأَيْتَ الْكَذِبُ يُكَدِّبُ بِالذِّينِ فَذَلِكَ الْكَذِبُ يَدْبَعُ

الْيَتِيمَ وَلَا يَعْصِي عَلَىٰ طَعَاهِ الْمُسْكِينِ - (الماعون - ۱-۳)

تم نے دیکھا اس شخص کو جو دین کو جھٹلاتا ہے؛ وہی ہے جو پیغم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر نہیں آکساتا۔

وَمَا آدَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ثُمَّ مَا آدَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ  
يَوْمَ لَا تُبَلِّغُ نَفْسٌ لِنَفْسٍ شَيْئًا إِلَّا مَرُّ يَوْمِئِذٍ لِلَّهِ -

(الفطار - ۱۶ - ۱۹)

مخفی کیا خبر کہ یوم الدین کیا ہے۔ ہاں تم کیا جانو کیا ہے یوم الدین۔ وہ دن ہے کہ جب کسی تنفس کے اختیار میں کچھ نہ ہوگا کہ دوسرے کے کام آسکے اس روز سب اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

ان آیات میں دین بمعنی محاسبہ و فیصلہ و جزائے اعمال استعمال ہوا ہے۔

## دین ایک جامع اصطلاح:

یہاں تک تو قرآن اس لفظ کو قریب قریب انہی مفہومات میں استعمال کرتا ہے جن میں یہ اہل عرب کی بول چال میں مستعمل تھا۔ لیکن اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لفظ دین کو ایک جامع اصطلاح کی حیثیت سے استعمال کرتا ہے اور اس سے ایک ایسا نظام زندگی مراد لیتا ہے جس میں انسان کسی کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر کے اس کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کرے، اس کے حدود و ضوابط اور قوانین کے تحت زندگی بسر کرے، اس کی فرمانبرداری پر عزت، ترقی اور انعام کا امیدوار ہو اور اس کی نافرمانی پر ذلت و خواری اور سزا سے ڈرے۔ غالباً دنیا کی کسی زبان میں کوئی اصطلاح ایسی جامع نہیں ہے جو اس پورے نظام پر حادی ہو۔ موجودہ زمانہ کا لفظ "اسٹیٹ" ہے۔



کسی حد تک اس کے قریب پہنچ گیا ہے۔ لیکن ابھی اس کو ”دین“ کے پورے معنوی  
مدد پر حاوی ہونے کے لیے مزید وسعت درکار ہے۔

حسبِ ذیل آیات میں ”دین“ اسی اصطلاح کی حیثیت سے استعمال ہوا

ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا  
يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ  
مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَ

هُوَ صَاغِرُونَ - (توبہ - ۲۹)

اہل کتاب میں سے جو لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں <sup>۲۱</sup> یعنی اس کو واحد مقتدر  
اعلیٰ تسلیم نہیں کرتے (یعنی یوم الحساب اور یوم الجزاء)  
کو مانتے ہیں نہ ان چیزوں کو حرام <sup>۲۲</sup> مانتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول  
نے حرام قرار دیا ہے، اور دین <sup>۲۳</sup> حقی کو اپنا دین نہیں بناتے ان سے جنگ  
کر دیہاں تک کہ وہ ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور چھوٹے بن کر رہیں۔

اس آیت میں ”دین حق“ اصطلاحی لفظ ہے جس کے مفہوم کی تشریح واضح  
اصطلاح جل شانہ نے پہلے تین فقروں میں خود ہی کر دی ہے۔ ہم نے ترجمہ میں نمبر  
لگا کر واضح کر دیا ہے کہ لفظ دین کے چاروں مفہوم ان فقروں میں بیان کیے گئے  
ہیں اور پھر ان کے مجموعے کو ”دین حق“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَتَّبِعْ مُوسَىٰ وَإِنِّي أَخَافُ

أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ وَأَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ - (المومن - ۲۶)

فرعون نے کہا چھوڑ دیجھے، میں اس موسیٰ کو قتل ہی کیسے دیتا ہوں اور اب پکارے وہ اپنے رب کو۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں یہ تمھارا دین نہ بدل دے، یا ملک میں فساد نہ کھڑا کر دے۔

قرآن میں قصہ فرعون و موسیٰ کی جتنی تفصیلات آئی ہیں ان کو نظر میں رکھنے کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہاں دین مجرد ”مذہب“ کے معنی میں نہیں آیا ہے بلکہ ریاست اور نظام تمدن کے معنی میں آیا ہے۔ فرعون کا کنایہ تھا کہ اگر موسیٰ اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو اسٹیٹ بدل جائے گا۔ جو نظام زندگی اس وقت فراعنہ کی حاکمیت اور راج الوقت قوانین و رسوم کی بنیادوں پر چل رہا ہے وہ جڑ سے اکھڑ جائے گا اور اس کی جگہ یا تو دوسرا نظام بالکل دوسری ہی بنیادوں پر قائم ہوگا، یا نہیں تو سرے سے کوئی نظام قائم ہی نہ ہو سکے گا بلکہ تمام ملک میں بد نظمی پھیل جائے گی۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ - (آل عمران - ۱۹)

اللہ کے نزدیک دین تو دراصل ”اسلام“ ہے۔

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ - (آل عمران - ۸۵)

اور جو ”اسلام“ کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا۔ اس سے وہ دین ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى

الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ - (التوبہ - ۳)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسولوں کو صحیح رہنمائی اور دین حق کے ساتھ

بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو پوری جنس دین پر غالب کر دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ - (الفال ۳۹)

اور تم ان سے لڑے جاؤ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین بالکل اللہ ہی کا ہو جائے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَتْوَابًا، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَحْفِذْهُ إِنَّكَ كَانَتْ تَوَّابًا - (النصر)

جب اللہ کی مدد آگئی اور فتح نصیب ہو چکی اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ فرج و فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں تو اب اپنے رب کی حمد و ثنا اور اس سے درگزر کی درخواست کرو، وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

ان سب آیات میں دین سے پورا نظام زندگی اپنے تمام اعتقادی، نظری، اخلاقی اور عملی پہلوؤں سمیت مراد ہے۔

پہلی دو آیتوں میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک انسان کے لیے صحیح نظام زندگی صرف وہ ہے جو خود اللہ ہی کی اطاعت و بندگی (اسلام) اپنی ہو۔ اس کے سوا کوئی دوسرا نظام، جس کی بنیاد کسی دوسرے مفروضہ اقتدار کی اطاعت پر ہو، مالک کائنات کے ہاں ہرگز مقبول نہیں ہے، اور فطرۃ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ انسان جس کا مخلوق، مملوک اور پروردہ ہے، اور جس کے ملک میں رعیت کی حیثیت سے رہتا ہے، وہ تو کبھی یہ نہیں مان سکتا کہ انسان خود اس کے سوا کسی دوسرے اقتدار کی بندگی و اطاعت میں زندگی گزارے اور کسی دوسرے کی ہدایات پر چلنے کا حق رکھتا ہے۔

تیسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اسی صحیح و برحق نظام زندگی یعنی اسلام کے ساتھ بھیجا ہے اور اس کے مشن کی غایت یہ ہے کہ اس نظام کو تمام دوسرے نظاموں پر غالب کر کے رہے۔

چوتھی آیت میں دین اسلام کے پیروؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ دنیا سے لڑو اور اس وقت تک دم نہ لو جب تک فتنہ، یعنی ان نظامات کا وجود دنیا سے مٹ نہ جائے جن کی بنیاد خدا سے بغاوت پر قائم ہے اور پورا نظام اطاعت و بندگی اللہ کے لیے خالص نہ ہو جائے۔

پانچویں آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس موقع پر خطاب کیا گیا ہے جب کہ ۲۳ سال کی مسلسل جدوجہد سے عرب میں انقلاب کی تکمیل ہو چکی تھی، اسلام اپنی پوری تفصیلی صورت میں ایک اعتقادی و فکری، اخلاقی و تعلیمی، تمدنی و معاشرتی اور معاشی و سیاسی نظام کی حیثیت سے عملاً قائم ہو گیا تھا، اور عرب کے مختلف گوشوں سے وفد پر وفد آکر اس نظام کے دائرے میں داخل ہونے لگے تھے۔ اس طرح جب وہ کام تکمیل کو پہنچ گیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا گیا تھا تو آپ سے ارشاد ہوتا ہے کہ اس کارنامے کو اپنا کارنامہ سمجھ کر کہیں فخر نہ کرنے لگنا، نقص سے پاک بے عیب ذات اور کامل ذات صرف تمہارے رب ہی کی ہے، اہذا اس کارِ عظیم کی انجام دہی پر اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرو اور اس ذات سے درخواست کرو کہ مالک! اس ۲۳ سال کے زمانہ خدمت میں اپنے فرائض ادا کرنے میں جو خامیاں اور کوتاہیاں مجھ سے سرزد ہو گئی ہوں انہیں معاف فرمادے۔

قرآن کی

چار بنیادی اصطلاحیں

اللہ رب العالمین اور اللہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی



اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

۱۳- ای شاہ عالم مارکیٹ (آج) (مغربی پاکستان)

شخ ۱-۱۶ بیت المکرم پہلی منزل ڈھاکہ (مشرقی پاکستان)